فون نمبر: 5863260 5862956 | مدیر: چوہدری ریاض احمد | نائب مدیر: حامد رحمٰن | رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
Email: centralanjuman@yahoo.com | قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 101 | 28 ربیع الثانی تا 29 جمادی الاوّل 1435 ہجری یکم تا 31 مارچ 2014ء | شمارہ نمبر 6-5

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے

میرے پیارو! میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو! جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی اپنے آرام اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے۔ لیکن میں اس خدمت کے لئے معین طور پر اپنی زبان سے تم پر کچھ فرض نہیں کر سکتا تا کہ تمہاری خدمتیں نہ میرے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنی خوشی سے ہوں۔ میرا دوست کون ہے؟ اور میرا عزیز کون ہے؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے۔ مجھے کون پہچانتا ہے؟ صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں اور مجھے اسی طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے ہیں جو بھیجے گئے ہوں۔ دنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں دنیا میں سے نہیں ہوں مگر جن کی فطرت کو اس عالم کا حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا۔ جو شخص وہم اور بدگمانی سے دُور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے ہر طرف اس کو موت درپیش ہے! اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے وہی جو بدی کو چھوڑتا ہے اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالیٰ کا ایک بندہ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں۔ مگر ایسا کرنے پر فقط وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نفس مزکّی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے۔ تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی آگ نہیں تھی۔ تب وہ ترقی پر ترقی کرتا ہے"۔ (فتح اسلام)

سرِ من در رہِ یارے نثارے

حضرت مجدّدِ صد چہاردہم

خداوندیکہ جاں بخش جہاں است

وہ خدا دنیا کو زندگی عطا کرنے والا ہے

بدیع و خالق و پُرور دگارے

کائنات کی ابتداء کرنے والا، ہر شے کا پیدا کرنے اور پالنے والا ہے

کریم وقادر و مشکل کشائے

وہ کرم کرنے والا، ہر بات پر قدرت رکھنے والا مشکل کشا ہے

رحیم و محسن و حاجت بر آرے

وہ رحم کرنے والا، احسان کرنے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا ہے

چوں آں یارِ وفادار آیدم یاد

جب وہ وفادار یار مجھے یاد پڑتا ہے

فراموشم شود ہر خویش و یارے

تو پھر مجھے تمام دوست و احباب بھول جاتے ہیں

بغیر او چساں بندم اول خویش

اس کے سوا اور دل کہاں لگاؤں؟

کہ بے رویش نمے آید قرارے

کیونکہ اس کا حسین چہرہ دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا

دل من دلبرے راتخت گاہے

میرا دل میرے محبوب کی تخت گاہ ہے

سرِ من در رہِ یارے نثارے

اور میرا سر دوست کے راستے میں قربان ہے

چگویم فضلِ او برمن چگو نست

میں کس طرح بیان کروں کہ اس کا مجھ پر کس قدر فضل ہے

کہ فضلِ اوست ناپیدا کنارے

کیونکہ اس کے فضل کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں

قلب کا مفہوم جدید سائنس کی روشنی میں

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع صد (100) سالہ یومِ تاسیس احمدیہ انجمن لاہور

بمقام جامع دارالسلام لاہور

ترجمہ: ''اور یہ جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ جبرئیل امین اسے لے کر اُترا ہے۔ تیرے دل پر تاکہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو۔کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان میں۔اور وہ پہلوں کے صحیفوں میں (موجود) ہے۔کیا اُن کے لئے یہ نشان نہیں کہ بنی اسرائیل کے عالم اُسے جانتے ہیں۔'' (سورۃ 26 آیت 192 تا 197)

میں نے سورۃ الشعراء کی آیات تلاوت کی ہیں۔ان میں قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: **''یہ تیرے قلب پر اتارا گیا''**

قرآن میں قلب کا مفہوم:

قرآن واحد کتاب ہے جس میں تمام معلومات موجود ہیں۔ایسی بہت سی ادیان کی کتابیں ہیں جن کے متعلق کسی کو یہ بھی نہیں یاد کہ یہ کتنے سال پہلے اُتریں، کس پر نازل ہوئیں، اس وقت کس زبان میں تھیں اور ان میں کیا کیا تبدیلیاں کردیں گئیں خاص طور پر بائبل اور تورات میں۔یہ قرآن کریم کو ہی اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے کہ جس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔سورۃ الحجر کی آیت نمبر 9 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **''ہم نے خود ہی یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''**

یہاں مندرجہ بالا جو آیات بیان ہوئی ہیں ان میں قرآن کو حضرت محمد صلعم کے قلب پر اتارنے کا ذکر ہے،تو یہاں ہمیں تھوڑا سمجھنا پڑے گا کہ **یہ قلب کیا چیز ہے؟۔ایک تو عام دل ہے کیا اس دل پر اترا؟ یا کوئی اور چیز ہے جس پر یہ نازل ہوا؟۔**

ایک تو ہمارے اندر کا دل ہے،جس کو ہم سب جانتے ہیں کہ جب ہم کسی بھی جانور کو ذبح کردیتے ہیں تو ہمارے بچے بھی دیکھ لیتے ہیں کہ یہ اس جانور کا دل ہے۔ کیا یہ قرآن اس دل پر اترا جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو اوسطاً 72 مرتبہ فی منٹ ڈھرکتا ہے؟ کیا اُس جسم کے حصے پر اُترا جو جسم کو خون پہنچانے کا کام کرتا ہے اور جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام پیدائش سے پہلے یعنی ماں کے رحم کے اندر ہی لگا کر اسے ڈھرکنے کی قوت بخشی اور تب ہی سے یہ چار سے چھ ہفتے کے اندر اندر ڈھرکنا شروع ہو گیا اور اس طرح اس نے ہمارے دماغ سے پہلے کام کرنا شروع کردیا۔ کیا یہ وہ دل ہے جس پر قرآن اُترا جو زندگی بھر جسم میں اتنا خون پہنچاتا ہے جس کی مثال یوں ہے کہ اگر ہم سے غلطی سے گھر کا پانی والا بڑا نلکا کھلا رہ گیا ہو اور ہم اس کو بند کرنا بھول گئے ہوں تو جتنا پانی اس میں سے چالیس سال تک گرتا رہے گا اتنا خون انسان کا دل ساری زندگی میں پمپ کرتا رہتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس نے ایک چھوٹے سے گوشت کے لوتھڑے کو اتنا بڑا کام دے دیا۔

کیا دل کا اصل مقصد صرف خون کا پمپ کرنا ہے؟

جسمانی پہلو سے جب تحقیق بڑھتی گئی تو دل کا ایک اور پہلو منظر عام پر آیا کہ اس میں ایسے اجزاء بنتے ہیں جو براہ راست خون میں داخل ہو کر بلڈ پریشر پر اثر ڈالتے ہیں۔لیکن میرا مضمون یہ ہے کہ **کیا یہ دل جو چھاتی کے اندر ایک خون پمپ کرنے والا آلہ ہے جس پر قرآن اُترا یا پھر اس دل کے اندر ایک خاص حصہ بھی ہے جس پر قرآن پاک کلام نازل ہوا۔**

اس دل پر آج کل کی تحقیق کے مطابق جن کے میرے پاس حوالہ جات ہیں

جن کو اگر میں یہاں بیان کروں تو بہت وقت درکار ہوگا۔ لیکن سائنسدانوں نے تحقیق کی کہ دل میں کیا کیا چیزیں ہیں۔ اور یہ دریافت کیا کہ **دل کے اندر ایک خاص سوچنے سمجھنے کی قوت بھی ہے**۔ ہم کہتے ہیں کہ میرے دل نے سوچا، میرے دل نے چاہا۔ یہ کوئی شاعرانہ بات نہیں ہے بلکہ اصل میں دل سوچتا ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ اور اس کا رابطہ دماغ کے ساتھ بھی بنا ہوا ہے۔ اس رابطہ کی وجہ سے دماغ کو نیکی کرنے کی اور بدی سے بچنے کی ترغیب دیتا سکتا ہے۔

قرآن میں دل یا قلب کا ذکر 132 مرتبہ آیا ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ کے شروع میں ہی ساتویں آیت میں آتا ہے کہ: **"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایک مہر لگا دی"**۔ تو یہ مہر کسی گوشت کے حصہ پر لگی یا کسی اور جگہ پر لگی؟ اسی طرح سورۃ البقرہ کی دسویں آیت میں آتا ہے: **"کہ ان کے دلوں میں بیماری ہے"**۔ یہ وہ بیماری تو نہیں جو جسم کو لگتی ہے اور ڈاکٹر اس کا علاج کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا اشارہ روحانی بیماریوں کی طرف ہے۔

"پھر ان کے دل سخت ہو گئے" (سورۃ البقرہ آیت 74)

اور ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کر دی کہ جتنے حواس دیئے اُن سب سے سوال کیا جائے گا مثلاً کان، آنکھ، ہاتھ وغیرہ ان سب سے پوچھا جائے گا۔ جیسے کہ کان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تو نے کیوں اچھی بات کو نہ سنا اور بُری بات کی طرف توجہ رکھی۔ کیونکہ کان کے ساتھ سننے یا نہ سننے پر ہمارا اختیار ہے۔ ہمیں جو اللہ تعالیٰ نے آزادی دی ہے اس میں کان کی بھی آزادی دی ہے۔ اچھی محفلوں میں اچھی باتیں سنو، یا بُری محفلوں میں بُری باتیں سنو۔ اچھے کاموں کی طرف کان دھرو۔

آنکھوں کے بارے میں کہا ہے اچھی چیزوں کی طرف دیکھو اور بُری چیزوں کی طرف نگاہیں نہ رکھو۔ اچھی چیزیں پڑھنے کے لئے استعمال کرو۔ ان سب سے پوچھا جا سکتا ہے۔ **لیکن پھر قلب کا کیا کام ہے؟** کیا اس کا کام یہی ہے کہ پمپ کرتے جاؤ یا اس کے اندر بھی کوئی ایسی چیز ہے جس سے یہ سوال کیا جائے کہ جب تجھے یہ بات کرنی تھی تو تُو نے اس کا فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟

اگر ہم اس آیت پر غور کریں تو جو ذکر دل، آنکھ اور کان کے متعلق ہے وہ ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: "یہاں تک کہ جب اس پر آ پہنچیں گے، ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی چمڑیاں ان کے خلاف ان کے عملوں کی گواہی دیں گی"۔ (سورۃ حم 41 آیت نمبر 20)

خدا تعالیٰ کا نظام ہم ویسے تو نہیں سمجھ سکتے کہ آنکھ کیا گواہی دے گی اور کان کیا گواہی دیں گے۔ لیکن آج کل جو جدید آلات سے جو واقعات محفوظ کر دیئے جاتے ہیں ان سے ہم کچھ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس ایسے نظام آ گئے ہیں جو ہم ثبوت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں تو اللہ جس نے ہمیں یہ عقل دی کہ ہم وہ آلات بنائیں۔ وہ بھی ہمارا ریکارڈ ان اعضاء کے ذریعہ محفوظ کیوں نہیں کر سکتا؟

اگر میں ڈاکٹری کے ذریعہ سے سوچوں تو ہمارے جسم کی چیزیں رات دن گواہی دے رہی ہوتی ہیں جو ڈاکٹر دیکھتے ہی بیماری کی تشخیص میں استعمال کرتا ہے کہ اس آدمی نے یہ ضرور کیا ہوگا کہ اس کو یہ بیماری لگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کوئی ایسے نشان چھوڑتا ہوگا کہ جو کل کو ہماری گواہی کا ذریعہ بنیں گے۔ اور ان تمام حواس کا ذکر ذیل کی آیت میں شامل ہو جاتا ہے:

"تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں۔ پس ان کے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے، یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے۔ کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔

(سورۃ الحج 22 آیت نمبر 46)

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اگر دل صرف خون کا ایک پمپ ہوتا تو پھر اس سے کیوں پوچھا جاتا۔ اس کا جو سخت ہو جانا ہے اور پھر جس چیز کی طرف ہم آ رہے ہیں کہ **اس عظیم شخصؐ پر قرآن اُترا جو عظیم شخصؐ آخری نبیؐ تھے۔ جن کے بعد کوئی نبی آنے کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اُن کے قلب پر یہ قرآن نازل ہوا۔**

اگر یہ سوال قرآن کے نزول کے وقت بلکہ چند سال پہلے کیا جاتا کہ **آپ کا قلب سوچ سکتا ہے یا نہیں؟** تو اس کا جواب یقیناً 'نہیں' ہوتا۔

آج کل کی تحقیق نے اس جواب کو بدل ڈالا ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ جسم میں پیدائش سے پہلے کام شروع کرنے والے اس جزو جو **چار ہفتے سے کام شروع کر دیتا ہے جس کو ہم دل کہتے ہیں وہ صرف ایک پمپ نہیں بلکہ**

ایک باشعور، احساس رکھنے والا جسم کا حصہ ہے جیسے کہ انسان کا دماغ ہے اور یہ وہ کام بھی کرتا جو دماغ جیسا ہوتا ہے یعنی اس میں اپنی اطلاع پانے اور اس کو آگے پہنچانے کی قوت بھی ہے اور چونکہ یہ پہلے بنا اس لئے اس کا رول پہلے شروع ہوا اور دماغ کا بعد میں۔ اور اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جسم کے ہر سیل میں اس کا خون جاتا ہے اور اس طرح وہ جسم کے ذرہ ذرہ پر متاثر ہوتا ہے۔

عربی میں قلب کے بہت سے معنی ہیں۔لیکن اس کا ایک مطلب ذہانت بھی ہے یعنی کہ باشعور ہے۔اس کے اندر سوچ کی قوت ہے۔اور جو تحقیقات ہوئی ہیں ان میں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جسم کے دوسرے حصوں کو حرکت میں لانے کی طاقت، خواہشات، یاداشت اور توجہ کی قوت اللہ نے اس دل میں رکھی ہے۔

ایک تحقیق ہوئی جس میں دل کے اندر چالیس ہزار Neurons (یعنی وہ خصوصی خلیہ جو اعصابی تہیجات کی ترسیل کا ضامن ہوتا ہے) پائے گئے۔کچھ سال پہلے تک یہی تصور تھا کہ Neurons صرف دماغ میں پائے جاتے ہیں اور دماغ ان کے ذریعہ جسم میں تمام پیغامات پہنچاتا ہے۔ان کی دل میں بھی موجودگی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ دل میں پیغامات کا سلسلہ موجود ہے۔سب سے پہلے خیال دل میں آتا ہے پھر ہم اسے پرکھتے ہیں کہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔یہ پیغام دل کا کام ہے کہ وہ اپنے Neurons کے ذریعہ پیغام دماغ تک پہنچائے اور پھر دماغ کا کام ہے کہ وہ اس میں سے انتخاب کرے۔اسی کو کہتے ہیں ہمیں خدا کی طرف سے عمل کی آزادی ہے۔**رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ تقویٰ یہاں ہے۔**

یہ کہا گیا ہے کہ ہمارے دل میں جو پہلی سوچ آئے وہ اکثر ٹھیک ہوتی ہے۔ چونکہ وہ دل سے اٹھتی ہے۔اس کے بعد آنے والی سوچیں چلتی ہیں دل اور دماغ کے درمیان۔کوئی ایسا انسان نہیں جو کہے کہ یہ نیک خیال میرے دل میں نہیں آیا۔ جیسے کہ اذان ہو رہی ہے نماز پڑھو، دوسری سوچ آئی کہ ایک ضروری کام ہے اس کے بعد پڑھ لینا، پھر سوچ ہوتی ہے پڑھ لیتا ہوں ثواب ہوتا ہے، پھر سوچ آتی ہے کہ بعد میں پڑھ لوں گا۔پھر آہستہ آہستہ ہمیں وہ پیغامات آنے بند ہو جاتے ہیں۔

شعبہ نفسیات کے پروفیسر ''گریز شارٹ'' کہتے ہیں کہ:

''**دل میں یاداشت کی قوت بھی پائی جاتی ہے اور دل اور دماغ میں باقاعدہ پیغام رسائی بھی ہوتی ہے۔**'' عربی اتنی وسیع زبان ہے کہ اس زبان میں صرف تلوار کے لئے 1000 الفاظ ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سب سے ضروری جسمانی عضو جو دماغ ہے اس کا نام قرآن میں نہیں آیا ہو کہ ''**اپنے دماغوں سے سوچو**''۔ لیکن ایک علیحدہ تحقیق کے مطابق **قلوب دل کا وہ حصہ کہلاتے ہیں جس میں انسان کی اخلاقیات اور اس کی اچھائی کا تعلق ان سے وابستہ ہے۔** جتنے خیالات آتے ہیں ان کا تعلق ہے دل کے Neurons کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

قلب پر ہی اللہ نے وحی فرمائی اور اسی میں وہ قوت رکھ ڈالی جو اچھائی کی ترغیب دماغ کو دیتی ہے۔اور پھر دماغ اسے قبول کرے یا نہ کرے وہ دماغ پر منحصر ہے۔لیکن دماغ کو اپنے دل کے ذریعہ ہم کنٹرول کر سکتے ہیں۔یہی دو آوازیں جو ہمارے اندر ایک بحث کرتی ہیں۔پہلے ہمیشہ نیکی پھر اس کے بعد اُس کا توڑ۔

اگر ہم اس درس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ ہم فیصلہ کر لیں کہ ہمارے اندر اللہ نے جو خانہ رکھا ہے جو ہمیں بار بار اچھی باتیں بتائے گا ہم اس کی آواز پر اپنا دھیان دھرا کریں گے۔اس کو عمل میں لائیں گے۔

ڈاکٹر اینگر وآرمر (پی ایچ ڈی) جس نے دل میں Neurons پر تحقیق کی ہے۔اس نے ان سیلز کے مجموعہ کو The Little brain in the heart کہا ہے یعنی ''چھوٹا سا دماغ جو اللہ نے دل میں رکھا ہو'' اور یہی اللہ نے جو چھوٹا سا ہمارے اندر ایک حصہ بنایا ہے اسی میں اگر ہم فیصلہ کر لیں کہ ہم اللہ کا ذکر کریں گے، اللہ کو یاد کیا کریں گے تو وہی اس دل اور اس زندگی کے لئے سکون کا باعث بنے گا۔اور اس کو **نفس مطمئنہ** حاصل ہوگا۔

''**جو ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، سن رکھو اللہ کے ذکر سے ہی قلوب کا اطمینان ملتا ہے۔**''

(سورۃ الرعد 13 آیت نمبر 28)

جنت اسی دنیا میں

ہر ایک درجہ سے گذر کر ہم نے جنت میں جانا ہے اور جو اس جنت

کے لئے کوشش کرے گا اس کی جنت یہاں ہی شروع ہو جائے گی۔ وہ یہاں سے ہی جنت کے پھل کھانے شروع ہو جائے گا۔ **وہ پھل کھانا کیا ہے وہ اللہ کے ساتھ تعلق ہے۔** اگر ہم اللہ کے تعلق کے لئے زندگی بسر کرتے ہیں کہ جنت میں ہم اللہ کے قریب ہوں گے تو اس قربت کا راستہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ یہ زندگی ہی اُس زندگی تک پل صراط ہے۔ اسی پر ہم دائیں گریں گے۔ اسی پر ہم بائیں گریں گے۔ اور اسی پر ہم سیدھے نکل جائیں گے۔

اس کو حاصل کرنے کے لئے اس قلب کی آواز کو نظر انداز نہ کریں۔ اس لئے انسان کی کوشش ہونی چاہیے کہ وہ اس قلب میں پڑی ہوئی نیکی کو دماغ تک پہنچائے۔ دل کی بات سنیں نہ کہ دماغ کی کیونکہ دل ہمیشہ سچائی کی بات کہے گا اور دماغ اس کو قبول یا رد کرے گا۔

قرآن کریم کے نزول کا جو اصلی مقصد ھدی للمتقین ہے یعنی ''متقیوں کے لئے ہدایت'' متقی بننے کے لئے پہلے ارادہ کرنا پڑتا ہے کہ مجھے اللہ متقی بنائے۔ مشکلات آئیں گی، کمزوریاں آئیں گی لیکن ترقی ضرور حاصل ہوگی۔

ہماری خوش قسمتی اور اُس پر ہمارا تشکر

اس زمانے میں ہم بہت خوش قسمت ہیں، ہم سے خوش قسمت اور کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے اس زمانے کے امام کو پہنچانا، ہم نے اس کی اصلی شناخت کی، ہم نے اس کو مجدد مانا جو اس کا حق تھا، ہم نے اس کو مسیح موعود مانا جو اس کا حق تھا، ہم نے اس کو مہدی معہود مانا جو اس کا حق تھا اور ہم نے اس کے مقام کو گرنے نہیں دیا۔ اس کو نبی نہیں مانا۔ احادیث مبارکہ میں رسول کریم صلعم نے خود تشریح کر دی ہے کہ لا نبی بعدی اور حضرت صاحب نے خود 257 مرتبہ نبوت کا انکار کیا ہے۔ (جو ہماری جماعت نے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے)

ہم خدا تعالیٰ کا بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے 100 سال پہلے یہ پہچان لیا کہ نہ کلمہ پڑھنے والا کافر ہو سکتا ہے اور نہ کسی نبی کے آنے کی کوئی گنجائش۔ اگر یہ گنجائش ہم پر ٹھونسی جائے تو پھر ہم بےزار ہیں۔ اور ہم خدا کا شکر ادا کرتے کہ ہم بھی اسی جماعت کے سلسلہ میں شامل ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم قرآن سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اور اس پر عمل کے ساتھ ہم اپنے نمونے سے لوگوں کو عمل کی دعوت دیں۔

ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اس زمانے کے امام کو پہچاننے کی توفیق دی اور پھر ہمیں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قیام دیا اور پھر اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ادھر آنے کو ترجیح دی اور اس طرح ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے اصلی مقام کو پہچانا ورنہ ہم بھی سیدھا راستہ نہ پاتے۔ ہمیں اللہ اس ہدایت پر قائم رکھے۔ آمین

جماعت کو نصیحت

اپنے قلب کی پرورش پورے عزم سے کریں

والدین پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جیسے وہ اپنے بچے کی دنیاوی تعلیم و تربیت پر وقت لگاتے ہیں کہ اس کی خاطر وہ اپنا ہر سکھ قربان کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اُن کی روحانی تربیت بھی کریں تاکہ ان کے قلوب کی بھی صحیح تربیت ہو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو جو جسم کے حصے دیئے ان کو اگر ہم استعمال کریں گے تو وہ قوت پائیں گے اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو حصہ استعمال نہ کیا جائے وہ بیکار ہو جاتا ہے۔ اگر ہم آج سے یہ تصور اپنے اندر رکھ لیں کہ قلب بھی ایک جسم کا حصہ ہے جو استعمال نہ کرنے کی وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے۔ اگر ہم عمل کریں گے تو ہم آگے بڑھتے جائیں گے۔ اور اگر ہم عمل چھوڑ دیں گے تو ہم روحانی طور پر خسارہ اٹھائیں گے۔ اسی لئے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جن پر اللہ نے انعامات کئے نہ کہ گمراہوں میں سے یا اُن میں سے جن پر اللہ کا غضب ہوا۔

ہم تہیہ کر لیں کہ پوری کوشش اور عزم سے اس پر عمل کریں گے۔ اللہ کے آگے جب کھڑے ہوں تو اس قلب کو حاضر کر کے کھڑے ہوں گے۔ جب رکوع و سجود کریں تو اس کو بھی رکوع و سجود پر مجبور کریں گے۔ تو پھر ہمارا حق بنے گا کہ ہم نفس مطمئنہ پا جائیں، پھر ہمارا حق بن جائے گا کہ جس مقصد حیات کے لئے ہم زندگی گذارتے ہیں وہ اچھا مقصد ہو اور جب ہم اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائیں تو ہم نفس مطمئنہ لے کر جائیں۔ اللہ ہم سب سے راضی ہو۔ ہم اس کے بندوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں۔ آمین

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی

حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ

از: محی الدین احمد صاحب

انسان جب اپنے اردگرد نظر دوڑاتا ہے تو ہر طرف خدا کی آیات اور نشانیوں کو بکھرا پاتا ہے۔ کبھی یہ نشان سیاروں اور ستاروں میں ہویدا نظر آتے ہیں تو کبھی ذرات میں مخفی اور پوشیدہ۔ یہ نشان چرند، پرند سے لے کر بحر و بر اور فضاؤں پر محیط ہیں۔ غرض اکنافِ عالم کی وسعتوں سے باہر بھی اس مالکِ کل کی نشانیاں اور آیات دکھائی دیتی ہیں۔ خدا کی ان آیات کا ظہور جہاں اور مخلوقات میں ہوتا ہے وہاں اشرف المخلوقات ان کا موردِ کیونکر نہ بنتا۔ یہ نشانیاں انسان کے مادی وجود کے ساتھ ساتھ روحانی وجود میں بھی اپنی چمکار دکھاتی ہیں۔ اللہ کی ان آیات کا جلوہ جب روحانی رنگ میں نوعِ بشر میں دکھائی دیتا ہے تو انبیاء، اصفیاء اور اولیاء کے درخشاں اور جگمگاتے نظیف وجود نظروں میں سماجاتے ہیں۔

حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ بھی اس صفِ باصفاء میں شامل تھے اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشان۔ حیات نورالدین دیکھنے سے عقل انسانی حیران و سرگرداں محوِتمشائے لبِ بام کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے کہ ایک انسان ہمہ وقت اتنی جہتوں پر غالب کیسے ہوسکتا ہے۔ کوئی شخص علم ریاضی کا ماہر ہوتا ہے تو علم تاریخ سے ناواقف، علم طب کا جاننے والا ہوتا ہے تو علم فقہ سے لابلد، اگر علم کیمیاء پر دسترس رکھتا ہے تو علم طبیعیات سے بے بہرہ۔ اگر علم سیاست سے تعلق رکھتا ہے تو علم دینیات سے آنکھیں موندھے ہوتا ہے اور اگر مذہب کا جاننے والا ہو تو علوم دنیا سے لاتعلق مگر نورالدین اپنے ہم چشموں اور ہم عصروں پر ہر نوع کی فوقیت رکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے علم و عمل میں فلک پر ستارے کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ شیوعِ اسلام سے لے کر اب تک جتنے بھی ہمہ صفت علماء، فضلاء، فقہاء، آئمہ دین اور صوفیاء باغیچہ اسلام کی رونق بنے مولانا نورالدین ان سب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا کیونکہ اگر ان میں سے کوئی چند اوصاف میں موصوف تھا تو آپ جامع اوصاف تھے۔ مرزا خدا بخش صاحب مصنف کتاب ''عسل مصفیٰ'' آپ کی جامع کمالات ذات کی تعریف میں یوں رطب السان نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''کیا یہ کم شکر کا مقام ہے کہ نورالدین کی شخصیت نے ہماری آنکھوں میں قرونِ گذشتہ کے اُن ناموروں کی زندہ تصویریں پیش کردی ہیں کہ جن کے افسانے صفحہ روزگار پر ثبت تھے۔ اگر تم اس زمانہ میں صدیق اکبر کو دیکھنا چاہو تو صدیقیت کا پورا عکس نورالدین کی ذات میں دیکھ لو۔ اگر تم فاروق اعظم کو دیکھنا چاہو تو شجاعت و رعب میں نورالدین کو دیکھو۔ اگر تم ابن عفان کو دیکھنا چاہو تو حیا میں نورالدین کو بے نظیر پاؤ گے۔ اگر تم اسداللہ الغالب کو دیکھنا چاہو تو سخاوت میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر تم ابن عباس کو دیکھنا چاہو تو نورالدین کو مفسرِ قرآن دیکھ لو۔ اگر تم مُصعب بن عمیر کو دیکھنا چاہو تو بےنفسی اور فروتنی میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر تم ابودردا کو دیکھنا چاہو تو نورالدین کو مال کے نہ جمع کرنے میں دیکھ لو۔ اگر تم زراقہ بن نوفل کو دیکھنا چاہو تو نورالدین کو توریت کا عالم دیکھ لو۔ اگر تم مسلمان پارسی کو دیکھنا چاہو تو نورالدین کو زندہ وسطیٰ کا ماہر دیکھ لو۔ اگر تم یاگ ولگ کو دیکھنا چاہو تو ویدوں کے جاننے میں نورالدین کو دیکھو۔ اگر کنفیوشش کو دیکھنا چاہو تو نظامِ ملکی میں نورالدین کو دیکھو۔ اگر ابن تیمیہ کو دیکھنا چاہو تو مناظرات میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر محمد غزالی کو دیکھنا چاہو تو فلسفہ میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر ابوحنیفہ کو دیکھنا چاہو تو تفقہ فی الدین میں نورالدین کی ذات کو دیکھو۔ اگر ابن رشد کو دیکھنا چاہو تو تفقہ فی الحدیث میں نورالدین کو دیکھو اگر امام بخاری کو دیکھنا چاہو تو محدثیت میں نورالدین کو دیکھ لو۔

اگر فخر الدین رازی کو دیکھنا چاہو تو استدلال میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر ابن جریر طبری کو دیکھنا چاہو تو تاریخ میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر لقمان کو دیکھنا چاہو تو حکمت میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر بوعلی سینا کو دیکھنا چاہو تو طباعت میں نورالدین کو اس سے بڑھ کر دیکھ لو۔ اگر سیبویہ کو دیکھنا چاہو تو علم نحو میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر خالد بن ولید کو دیکھنا چاہو تو جہاد فی سبیل اللہ میں نورالدین کو دیکھ لو۔ اگر محی الدین ابن عربی کو دیکھنا چاہو تو صوفیت میں نورالدین کو دیکھ لو غرض یہ انسان ایک ایسا انسان تھا کہ جس کی نظیر از منہ گذشتہ میں بھی کم پائی جاتی ہے۔''

حضرت مولانا نورالدین کی زندگی کو دیکھ کے لگتا ہے کہ آپ کی ذات کی تکمیل میں خدا کا اپنا ہاتھ کارفرماں تھا کیونکہ انسانی ذات کی تکمیل کے لئے جو وسائل درکار ہوتے ہیں وہ تمام کے تمام خدا کی صفت رحمان کے تحت آپ کے لئے پہلے سے موجود نظر آتے ہیں۔ آپ جس خاندان میں پیدا ہوئے وہ ایک اعلیٰ اور نیک خاندان تھا۔ آپ فاروقی قریشی ہیں اور 34ویں پشت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتے ہیں۔ آپ کے خاندان کو قرآن سے ایک خاص عشق و محبت کا تعلق تھا اور یہ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ آپ کی گیارہ پشتیں حافظ قرآن تھیں۔ آپ کے والد نے قرآن کے پھیلاؤ میں ہی ذریعہ معاش ڈھونڈا۔ آپ کے والد حافظ غلام رسول بمبئی سے کثیر تعداد میں قرآن خرید کر پنجاب کے مختلف بلاد اور دیہات میں پہنچاتے۔ آپ کی والدہ بھی آپ کے والد کی طرح نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ آپ کی والدہ نور بخت صاحبہ قرآن اور پنجابی زبان میں فقہ کی کتابیں بچوں کو پڑھاتیں تھیں۔ بہت سے بچے اور بچیاں آپ سے تعلیم حاصل کرتے۔ حضرت مولانا نورالدینؒ نے بھی قرآن اور فقہ کی بنیادی تعلیم اپنی والدہ سے ہی حاصل کی۔

حضرت مولانا کو خدا نے حافظہ بھی کمال کا دیا تھا۔ آپ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے کہ مجھے اپنے دودھ چھڑوانے تک کے واقعات یاد ہیں۔ آپ نے بچپن ہی میں قرآن پڑھ لیا اور نماز اور بنیادی مسائل فقہ سے واقفیت حاصل کر لی۔ آپ کے والد تعلیم کے بڑے حامی تھے۔ آپ کو حکم دیا کہ بیٹا اتنا دور جا کر پڑھو کہ نا ہمیں تمہاری خبر آئے اور نہ تمہیں ہماری۔ آپ نے فارسی، عربی اور طب مختلف شہروں میں مقیم ہو کر مختلف استادوں سے سیکھی۔ 17 سال کی عمر میں نارمل سکول میں بھی داخل ہوئے اور سکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ملازم رکھ کر اقلیدس، حساب اور جغرافیہ بھی سیکھا۔ تحصیلی امتحان میں اچھی کامیابی حاصل کر کے پنڈ دادن خان میں سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے لیکن یہ سلسلہ مزید تعلیم کے حصول میں مانع پا کر ترک کیا اور عربی، منطق اور طب کی تعلیم میں کمال کے لئے کوشاں ہو گئے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ طب کے پیشہ کو جاری رکھا، مختلف خدا پرست بزرگوں کی صحبت بھی اختیار کیے رکھی۔

آپ کی زندگی ہر پل و ہر لحظہ علم کی تلاش میں مصروف نظر آتی ہے۔ آپ زمانہ طالب علمی میں ایک وقت میں مختلف علوم کی تحصیل میں محو پائے جاتے۔ زمانہ طالب علمی میں ہی طلباء کے امام دکھائی دیتے ہیں۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ منٹوں میں حل کر دیتے۔ ساتھیوں کی تو بات ہی چھوڑ، آپ کے اساتذہ بھی مختلف علوم پر آپ کی کامل دسترس کے قائل تھے بلکہ بعض اساتذہ تو آپ کو پیر و مرشد کا درجہ دیتے اور آپ کے تمام تر اخراجات اپنی گرہ سے ادا کر کے آپ کو تعلیم دیتے رہے۔ آپ کے اساتذہ آپ کی علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ آپ کے برجستہ جواب دینے کے ملکہ کے بھی گرویدہ تھے۔ ایک دفعہ ایک استاد کے پاس قانون پڑھنے گئے تو استاد نے کہا کہ تم قانون پڑھنا چاہتے ہو تو تم قانون پڑھو گے کس طرح؟ آپ نے کہا کہ ''میں تو قرآن شریف پڑھ سکتا ہوں، قانون کی کیا حقیقت ہے''۔ حضرت مولانا نہ صرف تعلیم کے حصول کے لئے ملک ہی کے مختلف حصوں میں پھرتے رہے بلکہ تعلیم کی جستجو آپ کو اس مقام پر لے گئی جہاں سب علوم کا سرِ نیاز جھک جاتا ہے۔ آپ نے آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فخر بنی آدم کے در کی خاک کو پا لیا۔ مکہ میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شہروں میں وقتاً فوقتاً ڈیرہ ڈال کر خزائن علم کی کان یعنی قرآن کو حدیث سے مختلف اساتذہ کی زیرِ نگرانی لعل و یاقوت اور گوہر و عنبر سے اپنی جھولیاں بھریں۔ مکہ معظمہ میں شیخ محمد خزرجی سے ابوداؤد اور سید حسین اور مولوی رحمتہ اللہ صاحب سے صحیح مسلم پڑھی۔ سید حسین صاحب ایسے ماہرِ حدیث بزرگ تھے کہ حضرت مولانا جتنا عرصہ ان کی صحبت میں حاضر رہے، اتنا عرصہ ان کی زبان سے

سوائے الفاظ حدیث کے قطعاً کوئی لفظ ان کو سننے کو نہ ملا۔ ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ 20 برس سے انہوں نے سوائے حدیث کے اپنی زبان سے کچھ ادا نہ کیا۔ وہیں پر ایک اور استاد شیخ محمد سے صحاح ستہ کی باقی کتابوں کا درس لیا۔ حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ ایسی ذہانت اور اجتہادی فطرت کے مالک تھے کہ اگر کوئی مسئلہ ان کی عقل کے مطابق نہ ہوتا تو اساتذہ سے بھی اختلاف روا رکھتے۔ شیخ محمد صاحب ہی کا واقعہ ہے کہ:

''ایک دفعہ مولانا ان سے ابوداؤد کا درس لے رہے تھے تو اس میں اعتکاف کے مسئلہ میں حدیث تھی کہ صبح کی نماز پڑھ کر انسان معتکف میں بیٹھے۔ شیخ محمد صاحب نے اشارہ کیا کہ تم حاشیہ کو پڑھو یہ حدیث بہت مشکل ہے۔ مولانا نے عرض کیا کہ یہ حدیث تو بہت آسان ہے، حکماً میں دیکھ لیتا ہوں، انہوں نے کہا بہت مشکل ہے۔ مولانا نے حکم کی بجا آوری کے لئے سرسری طور پر اس کا حاشیہ دیکھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ حدیث مشکل ہے کیونکہ 21 تاریخ کو صبح کو بیٹھیں تو ممکن ہے۔ 21 ویں رات لیلۃ القدر ہو، اگر اس کے لحاظ سے عصر کو بیٹھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ مولانا نے دیکھ کر کہا کہ ذرا بھی مشکل نہیں۔ یہ محاشی کی غلطی ہے۔ میں ایسی راہ عرض کرتا ہوں جس میں ذرا بھی اشکال نہیں۔ یعنی 20 کی صبح کو بیٹھے، شیخ محمد صاحب نے کہا یہ تو اجماع کے خلاف ہے۔ مولانا فرمانے لگے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال آپ پڑھیں اجماع محض دعاوی ہیں۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب کی کثرت کو دیکھ کر لفظ اجماع بول لیا کرتا ہے۔ اس پر شیخ محمد بہت ہی تُند ہو گئے لیکن آپ نے ان کی تیزی کی طرف دھیان نہ کر کے سبق کو بہت تیزی سے پڑھنا شروع کر دیا۔ شیخ محمد صاحب نے آپ کو تو کچھ نہ کہا لیکن مولوی رحمۃ اللہ سے کہا کہ بعض طالب علم بہت دلیر آ جاتے ہیں۔ اور ان کی مشکلات کا خمیازہ ہمیں اٹھانا پڑتا ہے۔ جب مولانا تک مولوی رحمۃ اللہ صاحب کی وساطت سے یہ بات پہنچی تو مولانا نے مولوی رحمۃ اللہ صاحب سے ہی عرض کیا کہ یہ ایک جزوی مسئلہ ہے۔ 21 کی صبح کو نہ بیٹھے 20 کی صبح کو بیٹھ گئے۔ اس طرح حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ مولوی رحمۃ اللہ کہنے لگے کہ بات تو واقع ہی اجماع کے خلاف ہو جاتی ہے۔ مولانا نے کہا اس چھوٹی سی بات پر بھلا اجماع کیا ہوگا ؟ مولوی رحمۃ اللہ صاحب بھی آپ کی اس بات سے پریشان ہوئے تو حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے عرض کیا کہ لوگ خانہ کعبہ کی طرف سجدہ کیوں کرتے ہیں؟ ان نے فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، مولانا کہنے لگے انبیاء کا اجماعی قبلہ تو بیت المقدس ہے آپ ایک شخص کے فرمان پر اجماعِ انبیاء بنی اسرائیل کو کیوں چھوڑتے ہیں۔ آپ نے تو اتنے بڑے اجماع کو چھوڑ دیا میں نے اگر جزوی مسئلہ میں حدیث کے معنی میں اختلاف کیا تو حرج کیا ہوا؟''

اسی طرح آپ مسئلہ ناسخ و منسوخ اور دوسرے کئی مسائل میں اساتذہ سے اختلاف کر لیا کرتے اور کبھی کسی کے ڈر سے اپنی بات کو اخفاء میں نہ رکھتے۔ مکہ میں ہی آپ کی ملاقات ایک نہایت ہی پاک باز، متقی، عالم باعمل اور نفس کی غلامی سے آزاد ولی اللہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے بعداز استعارہ بیعت کی اور ان سے ظاہری اور لدنّی علوم سیکھے۔ آپ اتنے بہادر تھے کہ شاہ عبدالغنی صاحب کی بیعت کے بعد بھی رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے رہے حالانکہ شاہ عبدالغنی صاحب حنفی المذہب تھے۔ ان کے مریدوں نے اعتراض کیا کہ نورالدین رفع یدین اور آمین بالجہر کا قائل ہے۔ شاہ عبدالغنی صاحب نے حضرت نورالدین کو تو کچھ نہ کہا بلکہ اپنے دوسرے مریدوں سے ہی کہنے لگے کہ کوئی ایسی چھری لاؤ کہ جو رفع یدین اور آمین بالجہر بخاری سے کاٹ کر الگ کر دے اور فرمایا کہ 19 ہزار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی کوئی سند ہے تو وہ نورالدین کو دکھاؤ تو مان لے گا اور رفع یدین اور آمین بالجہر کو چھوڑ دے گا۔

آپ کو شروع ہی سے کتابوں سے عشق تھا، جب آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے تو ایک ترک نے آپ کے عشق کو دیکھ کر کہا آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو آپ لے جایا کریں، بے شک یہ ہمارے قانون کے خلاف ہے پر ہم آپ کو بطیّب خاطر اجازت دیتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ اگر آپ کے کتب خانے میں کوئی کتاب ایسی ہے جس میں مسئلہ ناسخ و منسوخ کا ذکر ہو تو دیجئے۔ اس نے ایک کتاب دی جس میں 600 آیات منسوخ لکھی تھیں۔ آپ نے ساری کتاب کو پڑھا لیکن آپ کا دل اس بات پر مطمئن نہ ہوا۔ آپ نے کتاب واپس کر دی اور کہا کہ کوئی اور کتاب دیجئے۔ اس نے اتقان دی جس میں ناسخ و منسوخ پر کچھ بحث

ہے۔آپ نے وہ کتاب پڑھی اس میں صرف 19 آیات کو منسوخ قرار دیا گیا تھا۔ آپ کو خوشی تو بہت ہوئی مگر آپ کی فطرت نے اس کو بھی پسند نہ کیا۔ پھر اسی طرح ہندوستان واپس آ کر آپ کو ''فوز الکبیر'' پڑھنے کا موقع ملا تو اس میں پانچ آیات منسوخ لکھی تھیں لیکن آپ نے جب ان پانچ آیات پر بھی غور کیا تو اس راز کو پا گئے کہ یہ آیات بھی منسوخ نہیں۔ کتابوں کے عشق کا یہ عالم تھا کہ آپ کو اچھی کتاب کو خطیر رقم خرچ کر کے بھی پانی پڑے تو آپ بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ جب آپ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آ کر مقیم ہوئے تو آپ نے اپنا کتب خانہ قادیان میں منگوایا تو اس کتب خانے کا یہ عالم تھا کہ اس میں وہ نادر کتب موجود تھیں جو بڑے بڑے رؤسا کے کتب خانوں میں بھی نہ پائی جاتی تھیں۔

علم سے محبت کے ساتھ ساتھ آپ عمل کی دنیا کے بھی سلطان تھے۔ خدا کے سارے نازل کردہ حکموں پر آپ نے ہر لحظہ چلنے کی بھرپور کوشش کی۔ جب آپ مدینہ منورہ میں شاہ عبدالغنی صاحب سے پڑھا کرتے تھے تو ایک دفعہ نماز ظہر میں شامل ہونے سے رہ گئے۔ آپ کو اس قدر رنج و خوف ہوا کہ خوف کے مارے رنگ فق ہو گیا اور اسی خوف کی حالت میں حجرہ کے اندر جا کر نماز پڑھنے لگے۔ رکوع میں تھے کہ خدا کی طرف سے ایک حدیث کی طرف توجہ ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اور جنت ایک ایسا مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر جو مانگا جائے مل جاتا ہے۔ اس لئے آپ نے دعا کی کہ الٰہی میرا یہ قصور معاف کر دے۔ تو دیکھئے کہ جس شخص کے دل میں نماز باجماعت کی اس قدر عظمت ہو کہ ایک نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے آپ کو اس قدر خوف ہوا کہ جب تک معافی کی دعا نہیں کر لی۔ تب تک دل پر سکون نہیں ہوا۔ تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ شخص خدا کے دوسرے حکموں پر کیونکر نہ کاربند ہو گا۔ اس کے علاوہ آپ ہمیشہ سنت نبویؐ کی تعمیل کے بھی شوقین رہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سنت کو بھی نہ چھوڑتے جو عام نہ ہوتی۔ ایک دفعہ جب مکہ معظمہ میں دوسری دفعہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے دل میں خیال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''کداء'' کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے تھے میں بھی اسی طرف سے جاؤں۔ مگر سواریاں اور مسافر اس راستے سے نہیں جاتے تھے۔ آپ ''ذیطواری'' سے ذرا آگے بڑھ کر اونٹ پر سے کود پڑے اور سواریوں اور آدمیوں کی ذرا بھی پروا نہ کرتے ہوئے ''کداء'' کے راستے سے تن تنہاء مکہ میں داخل ہوئے اور تنہائی اور اکیلا ہونے کی رتی برابر بھی پرواہ نہ کی۔

آپ کا اصل خاصہ جو آپ کی فطرت کا جز و تھا وہ توکل علی اللہ پر آپ کا کامل ایمان تھا۔ آپ کی زندگی تمام کی تمام توکل علی اللہ کے واقعات سے بھری ملتی ہے۔ آپ نے کبھی اسباب کی پرستش نہیں کی۔ آپ اپنی پوری کوشش کرتے اور نتائج کو خدا پر چھوڑ دیتے۔ اس توکل نے آپ کو ہر میدان میں فتح و کامرانی کا منہ دکھایا۔ آپ کی جیب پیسوں سے خالی ہوتی، روپیہ پاس نہ ہوتا، کھانے کو کچھ نہ ہوتا لیکن آپ توکل کی دولت سے مالا مال نظر آتے۔ طوالت کے خوف سے ہم واقعات کو پیش نہیں کرتے اگر کوئی آپ کے توکل کی نظیریں دیکھنا چاہے تو ''مرقاۃ الیقین فی حیٰوۃ نورالدین'' پڑھ کر دیکھ لے۔ آپ کی زندگی کا ہر موقع توکل کی برکات سے بھرا ہوا ملے گا۔ اس کے علاوہ آپ جہاد فی سبیل اللہ کے بھی انتہائی شوقین تھے۔ جب روم اور روس کی لڑائی غالباً 1872ء میں ہو رہی تھی تو آپ اپنے گھر بھیرہ میں تھے، آپ کے سب بھائی اور بہنیں اور ان سب کی اولاد ایک رات کو اتفاقاً گھر میں جمع تھے۔ آپ نے اس رونق کو دیکھ کر اپنے والدین کو فرمایا کہ کس قدر مسلمان مارے جاتے ہیں اور روز ہزاروں آدمیوں کے مارے جانے کی خبریں آتی ہیں۔ آپ کے گھر میں بفضل خدا بہت رونق اور امن ہے اگر مجھے خدا کی راہ میں قربان کر دیں تو یہ بہت ثواب کی بات ہوگی لیکن آپ کی والدہ صاحبہ نے کہا کہ میں یہ بات اپنی زندگی میں کیونکر برداشت کر سکتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا کفن دفن سب کریں لیکن آپ کے دل میں قلق پیدا ہوا تو خدا کی غیرت اپنا کام کر گئی۔ تھوڑے دنوں کے بعد والدین کے سامنے باقی اولاد فوت ہونی شروع ہوئی حتیٰ کہ سارا گھر خالی ہو گیا۔ ایک دفعہ موسم گرما میں آپ اپنے گھر جموں سے تشریف لائے تو ایک کمرہ میں سوئے ہوئے تھے کہ آپ کی والدہ قریب کے کمرہ میں آئیں اور انہوں نے اتنی زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ آپ کی آنکھ کھل گئی اور اپنی والدہ ماجدہ کو گھبرایا ہوا دیکھ کر صبر کی تلقین کی اور کہنے لگے اماں جان آپ کو معلوم ہے کہ گھر کیوں

خالی اور ویران ہوگیا؟ وہ فرمانے لگیں خوب یاد ہے۔ یہ اسی غلطی کا نتیجہ ہے جو میں نے آپ کی بات کو رد کیا۔ اور اب تو میں یہ جانتی ہوں کہ میں اس وقت مروں گی جب کہ تو بھی میرے پاس نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ اس وقت کشمیر میں ملازمت پر تھے جب آپ کی والدہ کا انتقال ہوا اور آپ ان کی تجہیز و تکفین میں شامل نہ ہو سکے۔

اگر آپ کے اخلاق و اوصاف پر بات شروع کر دی جائے تو صفحوں کے صفحے آپ کی صفات و اخلاق کی توصیف میں کم پڑ جائیں۔ اب بات کرتے ہیں آپ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات اور بیعت کے بارے میں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قلم سے ہی آپ کی تعریف سنتے ہیں۔ آپ جب جموں کشمیر میں ملازمت پر تھے تو آپ کو براہین احمدیہ کے متعلق دیا گیا اشتہار ایک پنسار کی دوکان پر گرا پڑا مل گیا۔ جس میں دس ہزار روپیہ انعام اس شخص کے لئے درج تھا جو اس کتاب کا جواب دے۔ آپ نے اس اشتہار کو پڑھا تو دل میں سوچا کہ میری فطرت جس انسان کی تلاش میں تھی وہ یہی ہے۔ جموں سے ایک روز کے لئے قادیان آئے تو آپ غلطی سے مرزا امام دین کے گھر پہنچ گئے جو کہ ایک بے دین اور دہریہ سا شخص تھا۔ آپ نے جب اس کو دیکھا تو طبیعت پریشان ہوگئی کہ وہ انسان ایسا شخص نہیں ہوسکتا۔ ان کی حیرانی دیکھ کر مرزا امام دین نے کہا کہ تم مرزا غلام احمد کو ملنا چاہتے ہو وہ دوسرے مکان میں رہتا ہے۔ جس کے سننے سے آپ کی جان میں جان آئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر پر پہنچے۔ انہیں آپ کے بارے میں اطلاع کی گئی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ عصر کے وقت ملیں گے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام باہر آئے تو فرمانے لگے کہ آپ ہوا خوری کو چلیں گے؟ آپ نے کہا کہ بہت اچھا۔ حضرت صاحب نے کوئی لمبی چوڑی بات پہلی ملاقات میں آپ سے نہیں کی صرف ایک شعر پڑھا:

من ذرہ ز آفتابم ہم از آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم حدیث عشق گویم

دوسرے دن حضرت مولانا نور الدین رخصت ہوئے اور کہا کہ جب آپ بیعت لیں تو سب سے پہلے مجھ سے بیعت لیجئے گا۔ آپ نے وعدہ کیا کہ آپ سے ہی بیعت لیں گے۔ پھر خط و کتابت اور گاہے گاہے ملاقاتوں سے محبت بڑھتی گئی اور مولانا نور الدین کی محبت اپنے مرشد سے عشق کی صورت اختیار کر گئی۔ جب حضرت اقدسؑ نے بیعت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے لدھیانا میں آپ نے آکر بیعت کی۔ آپ کے ہمراہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحب بھی آئے چونکہ اس وقت مولوی عبدالکریم نیچریانہ خیالات کے مالک تھے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی کی بیعت حضرت مولانا نورالدین کے ہاتھ پر رکھ کر لی۔ حضرت مولانا نورالدین اپنی قابلیت، تبحرِ علمی، تقویٰ و طہارت اور خدا پرستی اور ہمدردی انسانیت میں اس مقام پر تھے کہ جو لوگ مسیح کے ساتھ مہدی کے علیحدہ سے منتظر تھے تو ان کے لئے مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کی ذات واقعی مہدی کی حیثیت رکھتی ہے جو مسیح کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑا تھا۔ اور یہ انہی فرشتوں میں سے ایک تھا جن کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسیح نے اُترنا تھا۔

آخر پر حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر ہی سے پیش کرنا چاہوں گا:

''چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نور دین بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

یہی ایک شعر ہی اُن کی دینی ایمانی اخلاقی خوبیوں کا پورا فوٹو ہے۔ جو مسیح موعود علیہ السلام کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلا ہے۔ حضرت موصوف نے فتح اسلام، ازالہ اوہام اور آئینہ کمالات اسلام اور دیگر کتب میں آپ کا بڑا ہی ذکر فرمایا ہے۔ اگر ہم اُن کو یہاں درج کریں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ ہم صرف نمونہ کے طور پر آئینہ کمالات اسلام سے چند ایک سطور عربی سے ترجمہ کر کے لکھ دیتے ہیں تا کہ واضح ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں وہ کس پایہ اور کس شان کے انسان تھے۔ جب سے مجھے خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے خلعتِ ماموریت پہنائی گئی اور میں حی و قیوم ہستی کے دستِ قدرت سے زندہ ہوا ہوں مجھے برابر لگا تار دین کے چیدہ انصار اللہ کا

اشتیاق رہا اور اشتیاق بھی کیسا جیسا کہ بیابان میں ایک پیاسے کو پانی کا ہوتا ہے۔اور میں شب وروز بحضور رب العزت دعائیں مانگتا اور چیختا چلاتا تھا من انصاری الی اللہ میں اکیلا اور عاجز ناتوان ہوں تو ہی میرا کوئی مددگار پیدا کر۔جب اس طرح میرا ہاتھ دعا کے لئے متواتر اٹھا اور فضائے آسمان میری دعاؤں کی گونج سے بھر گئی تو مولائے کریم نے میری عاجزانہ دعا کو درجہ استجابت بخشا اور رحمت ایزدی جوش میں آئی تو اس پاک ذات نے مجھے ایک صدیق مخلص مرحمت فرمایا جو انصار اللہ کی آنکھ اور ان دوستانِ اخلاصمند کا خلاصہ ہے جو ہر وقت دین کی حمائت میں مستعد رہتے ہیں۔اس کا نام نورانی صفات کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ نورالدین ہے۔اس کا مولد بھیرہ اور نسب قریشی ہاشمی ہے پس وہ سردارانِ اسلام و شریف آباء کی نسل سے ہے۔مجھے اس کے ملنے سے اتنی بڑی خوشی ہوئی گویا کہ عضوِ جدا شدہ پھر حاصل ہو گیا اور اس سرور سے کم سرور نہیں ہوا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ملنے سے ہوا تھا۔اور جب وہ میرے پاس آیا اور مجھے ملا تو میرے سارے ہموم وغموم جاتے رہے، میں ان کو ہمیشہ نصرتِ دین متین میں سابق الخیرات پاتا ہوں اور جس قدر نفع اور فائدہ اس شخص کے مال نے پہنچایا ہے اور کسی شخص کے مال نے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا۔وہ کئی سال سے برابر مال کو ابتغاءً لوجہ اللہ دیتا ہے۔وہ علم وفضل میں اور نیکی اور سخاوت میں اپنے ہمچشموں میں فوقیت رکھتا ہے۔اس کا حلم کوہِ رضوی سے زیادہ مضبوط۔اس کی سخاوت کا یہ حال ہے کہ خدا کی راہ میں عزیز سے عزیز مال کو بیدریغ خرچ کر دیتا ہے اور اس کی خوشی اور راحت کا انحصار کلام اللہ پر ہے۔سخاوت ہی اس کی شرع ہے اور علم ہی اس کا مطلوب ہے۔حلم اس کی سیرت اور توکل اس کی غذا ہے۔میں نے جہان میں اس کی مانند کوئی عالم نہیں دیکھا اور منعم ہو کر اس کی مانند مخلوق میں کوئی فقیر نہیں دیکھا اور میں نے اس کی مانند خدا کے راستے میں اس طرح خرچ کرنے والا نہیں دیکھا ہے۔اور نہ میرے

ہوش کے زمانہ سے لے کر آج تک ایسا وسیع النظر عالم میری نظر سے گذرا ہے جب میری اس سے ملاقات ہوئی اور میری نگاہ اس کے بشرے پر پڑی تو مجھے تو وہ اٰیۃ من اٰیات اللہ نظر آیا اور میرے دل میں حق الیقین کے طور پر یہ بات گڑ گئی کہ یہ میری اُسی دعا کا نتیجہ ہے جس پر میں مداومت کرتا تھا اور میری فراست نے گواہی دی کہ وہ ایک چیدہ عباد الرحمٰن میں سے ہے۔میں ہمیشہ اس خوف سے کہ مبادا اُن کے نفسوں کو ضرر پہنچے لوگوں کی مدح وتوصیف کرنا اور ان کے شمائل کا خاصہ کرنا پسند نہیں کرتا لیکن جب میں اس پر نگاہ کرتا ہوں تو مجھے نظر آتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے جذباتِ نفسانی مضمحل اور جن کی شہواتِ طبعی فنا ہو گئی ہیں اور اب یہ ان لوگوں میں سے ہے۔جن کی نسبت کسی قسم کے خوف کا اندیشہ نہیں۔اور اس کے کمالات کی علامات میں سے ایک یہ علامت ہے کہ جب اس نے اسلام کو دشمنانِ دین کے ہاتھوں سے مجروح اور ایک مسافر سرگردان کی طرح پریشان یا اس درخت کی طرح جو طوفانِ باد سے اپنی جگہ سے ہل گیا ہو۔دیکھا۔تو مارے غم کے بے اختیار ہو گیا۔اور غم ہی کو اپنا شعار بنا لیا اور اپنے سارے عیش وآرام کو مکدر کر لیا اور ایک مضطر کی طرح بے چین ہو کر حمائیت دین کے لئے کمربستہ ہو گیا۔اور ایسی کتابیں تصنیف کیں۔جو دقائق اور معارف سے پُر ہیں اور جس کی نظیر پہلے لوگوں کی کتابوں میں نہیں ملتی۔اُن کی عبارتیں باوجود اختصار فصاحت سے پُر اور ان کے الفاظ نہایت دلربا اور حسن افزا اور ایسے دلچسپ کہ ناظرین کو شراباً طہور کا مزہ دیتے ہیں۔اور وہ کتابیں ایسی ہیں کہ گویا کستوری سے پرورہ ابر نشیم کی ہیں۔جس میں موتی اور یاقوت اور مشک اور عنبر کی مالا پروئی گئی ہو۔اس کی کتابیں ایسی عمدہ اور فوائد کے لحاظ سے ایسی جامع ہیں کہ سب سے سبقت لے گئی ہیں۔اور وہ ایسی محیط ہیں کہ کوئی چھوٹا اور بڑا مسئلہ ان سے باہر نہیں رہا۔اور براہین اور دلائل کے رسوں سے ایسی جکڑ بند کی گئی ہیں کہ دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔اور کوئی کتاب ان کا لگا نہیں کھا سکتی۔مبارک ہے وہ

انسان جوان کو حاصل کر کے ان کو پڑھے اور غور کرے وہ ان سے بڑھ کر اپنے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔ جو قرآن کریم کی آیات کی عقدہ کشائی اور معارف قرآنی سے آگاہی چاہتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ ان کتابوں کی طرف میلان کرے کیونکہ وہ ان تمام باتوں کی متحمل ہیں۔ جو ایک ذہین طالب علم مطمح نظر ہیں۔ ان کی خوشبوئے ریحان دلوں کو فریفتہ کرتی۔ اور ان کی شاخیں میوۂ خوش ذائقہ دیتی ہیں۔ اور بلا شک وہ امن باغ کی طرح ہیں۔ جس کے درخت خوشوں سے لدے ہوئے ہیں۔ اور جس میں کوئی شورِ لغویات نہ ہوا اور وہ کتابیں کیا ہیں۔ پاک لوگوں کے لئے ضیافت ہیں۔ ایک کتاب کا نام فضل الخطاب اور ایک کا نام تصدیق براہین احمدیہ ہے۔ ان کے الفاظ باوجود متانت ولطافت کے بیش قیمت معانی کا مخزن ہیں جن سے مئولفین اسوۂ حسنہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور متکلمین کی آرزوئیں انہی کتابوں سے پوری ہو سکتی ہیں اور یہ وہ کتابیں ہیں جن کی مدح سرائی میں علماء کبار کی زبانیں طب اللسان ہیں اور جن کے جواہرات جواہر النحور پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اور جن کے موتی سمندروں کے موتیوں سے سبقت لے گئے ہیں اور یہ کتابیں اس کے کمالات پر ایک دلیل قاطع ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ تم اس کے رتبہ سے آگاہ ہو جاؤ گے۔ فاضل مصنف لئے کتب مذکورہ میں قرآن حمید کے نکات کی تفسیر کرنے اور اپنی تحقیقات غامضہ سے درایت اور روایت کے توافق دینے میں سعی بلیغ فرمائی ہیں۔ آفرین ہے اس کی اس عالی ہمتی پر اور شاباش ہے اس کے افکارِ وقادہ پر۔ وہ مسلمانون کے جائے فخر ہے۔ اور وہ دقائق قرآن کریم کے استخراج کرنے اور حقائق فرقانِ حمید کے کنوز کو پھیلانے میں عجیب ملکہ رکھتا ہے۔ بلاشک وہ مشکوٰۃ نبوت کے انوار سے منور اور اپنی پاک طینتی اور مروّت کی وجہ سے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بہرہ ور ہے۔ وہ ایک عجیب وغریب انسان ہے جس کے ایک ایک لمحہ کے سات انوار کے دریا بہتے اور ایک ایک رشحہ کے ساتھ مشارب افکار پھوٹ نکلتے ہیں اور یہ ایک خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہی ہے جو خیر الواہبین ہے۔

وہ نخبۃ المتکلمین اور زبدۃ المولفین ہے اور لوگ اس کی آب زلال سے سیراب ہوتے اور اس کی سخندانی اور سخنوری کی بوتلیں شراباً طہوراً سمجھ کر خریدتے اور متمتع ہوتے ہیں۔ وہ ابرار واخیار اور مومنین کی جائے فخر ہے اور اس کا قلب لطائف ودقائق کا مخزن اور اس کا دل معارف وحقائق کے انوارِ ساطعہ کا منبع ہے۔ جب وہ اپنے پاکیزہ اور مصفا کلمات اور اچھوتے فی البدیہہ عجیب ملفوظات سے کلام کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا لطیف نغموں اور داؤدی مذامیر کے ساتھ دلوں اور روحوں کو تسخیر کرتا ہے۔ اور کھلے کھلے اور بین معجزات کے ساتھ لوگوں کو گھٹنوں کے بل بٹھا لیتا ہے۔ اور جب بولتا ہے تو دانائی کی باتیں اس طرح اس کے منہ سے نکلتی ہیں جس طرح پانی اپنی قدرتی روانی سے بہتا ہے اور سامعین کی پیاسوں کو بجھاتا ہے۔ جب میں نے اپنے فکر کے گھوڑے کو اس کے کمال کے میدان میں دوڑایا تو میں نے اس کو علوم اور اعمال، نیکی اور صدقات میں یکتا پایا۔ مجھے ثابت ہوا کہ وہ نہایت ذکی الذہین اور حدید الفواد، فصیح اللسان، نخبۃ الابرار وزبدۃ الاخیار ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ کی جناب سے مال اور سخاوت ملی ہے۔ اور وہ لوگوں کی امید گاہ اور خدام دین کا سردار ہے۔ اور مجھے تو اس کے ان کمالات سے رشک آتا ہے۔ امیدوار اس کے صحن میں فروکش ہوتے اور اس کے ہاتھوں کی ہتھیلی سے ابرِ سخاوت کے طالب ہوتے ہیں۔ جو اس کے گھر پر قصداً آتے اور اس کی ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں تو ان سے منہ نہیں موڑتا اور جو فقیر محتاج اس کے پاس آتا ہے وہ بامراد اور کامگار ہو کر جاتا ہے۔ باوجود ان خصوصیات کے وہ میری زیارت کا ایسا گرویدہ ہے کہ اضطراب تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اس کی وہی حالت ہو جاتی ہے جس طرح ایک دولت مند کے لئے مضطر ہوتا ہے۔ دور دراز مقامات سے محبت اور یقین کے پاؤں کے ساتھ

جو چل کر میرے پاس پہنچتا ہے۔ وہ ایک دریا جوان ہے جو مجھ سے محبت رکھتا ہے اور میں بھی اس سے دلی محبت رکھتا ہوں۔ اگر اس کو اتنی بھی فرصت مل جائے جتنی کہ اونٹنی کے دو دفعہ دوہنے میں ہو سکتی ہے تو وہ اس کو بھی غنیمت سمجھ کر اپنی ساری طاقت کے ساتھ دوڑ کر آتا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ کے انعامات بوقلموں کی بارش ہوتی ہے اور اس کی بقا کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی مدد ہے۔ اس کو میرے ساتھ اور میرے دل کے ساتھ عجیب تعلقات ہیں۔ میری محبت میں ایسا سرشار ہے کہ رنگا رنگ ملامتوں اور قسما قسم کی گالیوں سے عار نہیں رکھتا اور وطن مالوف کو ترک کرنے اور مفارقتِ احباب کو اختیار کرنے پر تیار ہے۔ میرے کلام کے سننے کے لئے اس کو وطن کی جدائی آسان اور میری مصاحبت کے لئے میرے مسکن کو اپنے وطنِ عزیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اور میری پیروی اس طرح کرتا ہے جس طرح حرکتِ نبض حرکتِ تنفس کی پیروی کرتی ہے اور میں اس کو اپنی رضا میں فانیوں کی طرح دیکھتا ہوں۔ جب اس سے کسی بات کا سوال ہوتا ہے تو وہ بلا توقف پورا کرتا ہے اور جب اس کو کسی کام کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ سب سے پہلے لبیک کہتا ہے۔ اس کا قلب سلیم ہے اور اس کا خلق عظیم ہے اور ابرِ کثیر کی طرح اس کا کرم ہے۔ اس کی صحبت خراب دلوں کو سنوارتی ہے اور وہ دشمنانِ دین پر اس طرح حملہ کرتا ہے جس طرح شیر ببر حملہ کرتا ہے۔ اس نے کفار پر پتھروں کی بارش کی۔ آریوں کی مذہبی بنیادوں کو کھود ڈالا اور ان کی عمارت مذہب کی دیواروں میں نقب لگا کر ان نادانوں کی زمین پر اُترا اور ان کا تعاقب کر کے ان کی زمین کو تہ و بالا کر دیا۔ اور اس کی کتابیں مکذبین کی تذلیل و رسوائی کے لئے نیزوں کا کام دیتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس کے ہاتھ سے ویدوں کو شرمندہ کیا اور ان کے چہرہ پر راکھ ڈال کر ان کو خاک آلود اور سیاہ رو کر دیا گویا کہ وہ مردہ ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے کسی افسوس گر سے وہمی حیات پا کر قرآن پاک اور اسلام مقدس پر حملہ کرنا چاہا مگر مُردے جب ایک دفعہ مر چکتے ہیں تو وہ زندہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس بہادر کو دیکھ کر کانپتے اور لرزتے ہوئے واپس چلے جاتے ہیں اگر ان میں ذرا بھی حیاء ہوتی تو وہ دوبارہ حملہ نہ کرتے مگر بیحیائی اس قوم کا ایسا حلیہ ہو گئی ہے جس طرح محجل گھوڑوں میں تحجیل غیر منفک ہے۔ پس ان کا حملہ مذبوحین کا سا حملہ ہے۔

موصوف فاضل نبیل مجھ سے اس قدر زیادہ محبت کرتا ہے کہ اور دوستوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو اس کی محبت کا موازنہ کر سکے۔ وہ ان سب دوستوں سے ممتاز ہے جنہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور جنہوں نے عقد نیت کو میرے ساتھ خالص کر لیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کریں گے۔ یعنی اس کو ان لوگوں میں سے پایا ہے جو اپنے عہدوں کی محافظت کرتے اور رب العالمین سے ڈرتے ہیں اور وہ اس پُر شرِ زمانہ میں اس پانی کی طرح ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ جس طرح قرآن کریم کی محبت اس کے دل میں بھری ہوئی ہے ایسی محبت میں کسی اور کے دل میں نہیں دیکھتا۔ وہ قرآن کا عاشق زار ہے اور اس کے اندر محبت آیات مبین کی چمکار ہے اس کا قلب خدا تعالیٰ کی طرف سے موردِ انوار ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کریم کے حقائق بعیدہ و دقائق پوشیدہ ظاہر کرتا ہے اور اس کی اکثر خوبیوں پر مجھے رشک آتا ہے۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کی عطیات ہیں جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ خیر الرازقین ہے۔ خدا نے اس کو ان لوگوں میں سے بنایا ہے جو قوت اور بصیرت رکھتے ہیں، اس کے کلام میں وہ لطافت اور حلاوت ودیعت رکھی گئی ہے کہ دوسروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اس کی فطرت کے اندر کلام خدا سے پوری مناسبت ہے۔ کلام خداوندی میں بے شمار خزانے ہیں جو اس بزرگ جوان مرد کے لئے ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور یہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ کوئی جھگڑالو اس کی قسمت سے لڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض کو تھوڑی سی طراوت دیتا ہے اور بہت سے آدمی ہیں جن کو بہت سا پانی عطا کرتا ہے پس کون ہے کہ جو

اس کے ساتھ حجت بازی کر سکے مجھے اپنی حیات کی قسم ہے کہ بڑا مردِ کارزار ہے۔اس کی مصداق یہ مثال ہے لکل علم رجال ولکل میدان ابطال اوردوسری مثال میں یوں آتا ہے ان فی الزوایا جنایا وفی الرجال بقایا ۔خدا تعالیٰ اس کو صحت وعافیت دے اور حوادثِ زمانہ سے اس کو محفوظ رکھے اور اس کی عمر کو اپنی رضا اور اطاعت کے ماتحت لمبا کرے اور اس کو اپنے مقبولین سے بنائے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے لبوں پر سے حکمت برستی ہے اور انوارِ آسمانی اس پر نزول کرتے ہیں ۔اور میں اس پر اس طرح پے در پے انوار کا نزول دیکھتا ہوں ۔جس طرح مہمان سرا ریں مہمان نزول کرتے ہیں۔جب کتاب اللہ کی تاویل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔تو اسرار کے منبع کھولتا ہے اور لطائف کے چشمے بہاتا ہے اور پردوں میں دبے ہوئے عجیب وغریب معارف کا انکشاف کرتا اور دقائق کے ذرات کی تدقیق کر کے حقائق کی تہ کو پہنچ کر بین نور باہر نکلتا ہے۔عقلمند اس کی تقریر دلپذیر سے متاثر ہو کر سر تسلیم خم کر لیتے ہیں۔وہ حق کو کندن کی طرح چمکتا دمکتا دکھلاتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔اس نے ہر جوان کو علومِ حقہ کے زور سے مضطرب کر دیا ہے۔اور علماء کو بیگوشت ہڈی کی طرح دولتِ علومِ روحانیہ وجواہرات اسرار رحمانیہ سے محروم کر دیا ہے۔یہ وہ جوان مرد ہے جو میدان دنیا میں کھڑا ہو کر دشمنان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح ٹوٹ پڑتا ہے جس طرح شیاطین پر شہات ثاقب ٹوٹ پڑتے ہیں ۔وہ علماء کے درمیان حدقتہ العین اور آسمان حکمت میں شمس کا لنہار ہے۔وہ اللہ کے سوائے کسی سے نہیں ڈرتا اور وہ ان سطحی راؤں سے خوش نہیں ہوتا۔جس کا منبت اونچی زمین ہو۔ بلکہ اس کا فہم ان دقیق الماخذ مخفی اسرار تک پہنچا ہے جو گہری اور عمیق زمین میں دبے ہوئے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کھوئی ہوئی دولت اس کو واپس کر دی ہے اور وہ ان لوگوں میں سے جن کو خدائے لایزال کے حضور سے توفیق ملتی ہے اور میں اللہ تعالیٰ ہی کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ دوست ایسے وقت میں بخشا جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کی عمر اور صحت اور ثروت میں برکت دے اور مجھے ایسے اوقات عطا کرے کہ جن میں وہ دعائیں قبول ہوں ۔جو اس کے لئے اور اس کے قبیلے کے لئے کروں ۔اور میری فراست گواہی دیتی ہے کہ میری استجابت دعا حقیقت پر مبنی ہے۔نہ ظن پر۔اور مجھے دعا کی قبولیت پر کامل امید ہے۔قسم بخدائے لایزال کہ میں اس شخص کے کلام میں ایک نئی شان مشاہدہ کرتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ وہ قرآن کریم کے اسرار کھولنے اور دقیق در دقیق معانی کی تفہیم میں گوئے سبقت لے گیا ہے ۔اور اس کا علم اور حلم گویا دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے ہیں۔اور میں ان کو دیکھ کر ششدرہ جاتا ہوں ۔کہ ان میں سے کس کو ترجیح دوں۔میرے نزدیک وہ دین متین کا ایک باغِ نو بہار ہے اور میری دل سے دعا ہے کہ اے پاک پروردگار اس کے لئے تو آسمان سے برکتوں کی بارش برسا اور دشمنوں کے شر سے اس کو بچا اور ہر جگہ جہاں کہیں وہ ہو تیری ہی معیت اس کے شامل حال ہو اور اے ارحم الراحمین دنیا اور آخرت میں ہمیشہ تیرا اس پر رحم ہو۔آمین ثم آمین۔

وہی ذات پاک دنیا وآخرت میں میرا والی ہے۔اسی کے کلام نے مجھے بلایا اور اسی کے ہاتھ نے مجھے ہلایا۔اور میں نے یہ تمام مضمون اللہ تعالیٰ کے فضل اور ایما اور القا سے قلمبند کا ی ہے۔فالحمد اللہ رب العالمین۔ دیکھو آئینہ کمالات اسلام حصہ عربی صفحہ ۵۸۱ لغایت ۵۸۹۔

یہ وہ سٹرٹیفکیٹ ہے جو آپ کو مسیح آخر الزمان کے دربارِ گوہر بار سے عطا ہوا ہے اور یہ وہ سند ہے جس کے امت محمدیہ کے اولین وآخرین محروم ہیں۔یہی ایک ہی جوان مرد ہے جو ساری دنیا سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔اب آنے والی نسلیں ترستی بھی مرجائیں پر یہ رقبہ حاصل نہیں کر سکتیں۔

☆☆☆☆

غلام رسول ازہر صاحب کی ''یادوں کی خوشبو'' میں سے اقتباس

فضل کریم خان درّانی (سابق امام برلن مسجد، جرمنی) اور علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب (مترجم انگریزی قرآن مجید) کے متعلق تاثرات

(ماخوذاز: ماہنامہ ''علامت'' لاہور نومبر 1991ء)

عزیز الدین پال(؟) ریواز ہوسٹل (اسلامیہ کالج) میں میرے قریبی دوست تھے۔ اقتصادیات کے طالب علم تھے۔ ان کا کمرہ مجمع خلائق تھا۔ میں نے وہیں پہلی مرتبہ مشہور صحافی ایف۔کے۔خان درانی کو دیکھا۔ موسم سرما تھا۔ ادھیڑ عمر درانی صاحب نے خاکستری رنگ کا پرانا سا کنٹوپ، بوسیدہ ملگجا اوورکوٹ اور گھسی پٹی خاکستری سی پتلون پہنی ہوئی تھی۔ وہ انگریزی بڑی روانی سے بولتے تھے اور باتوں باتوں میں کبھی کبھار بلند قہقہے لگاتے۔ بعدازاں یہی جنون خیز قہقہے ان کی آمد کی پہچان بنے۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ہماری درخشندہ تاریخ میں بہ منشائے ایزدی بڑوں کا دور ہے۔ کسی سمت نظر دوڑائیے، ایک سے ایک بڑھ کر میدان علم وعمل کا شہسوار دکھائی دے گا۔ سرسید اور ان کے رفقا سے لے کر اکبر وحالی، علی برادران، اقبال، ظفر علی خان اور قائداعظم تک عظیم انسان خیل در خیل اپنے اپنے مقام پر کھڑے نظر آئیں گے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس دور کے بظاہر چھوٹے بھی بڑے تھے۔ درانی صاحب بطور دردمند مسلمان اور شناسندۂ اسلام صحافی بھی انہی میں سے تھے۔

سید احمد سعید کرمانی کے بیان کے مطابق فضل کریم خان درانی ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بطور انگریزی صحافی مدراس کے مشہور انگریزی روزناموں ''ہندو'' اور ''مسلم کرانیکل'' میں کام کیا۔ پھر ''پیسہ اخبار'' والے مولوی محبوب عالم کے صاحبزادے شیخ عبدالمجید کے ''ایسٹرن ٹائمز'' اور بعدازاں اپنے ذاتی ہفت روزہ ''ٹروتھ'' کے مدیر شہیر رہے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کے سوا وہ کسی معاصر رہنما کے قائل نہ تھے۔ قائداعظم کو وہ Man of the Hour کہتے تھے اور خود قائداعظم بھی ''ٹروتھ'' کے اداریوں سے متاثر اور ان کی اصابت رائے کے معترف تھے۔

درانی صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک Muhammad the Prophet ایک انوکھے انداز میں لکھی تو علامہ اقبال نے خوش ہو کر اپنی جیب خاص سے پچاس روپے بطور انعام دیئے جو اس زمانے میں ایک لحاظ سے خطیر رقم تھی اور یوں بھی بجائے خود ایک غیر معمولی اعزاز تھا۔

اس کتاب کا دیباچہ علامہ عبداللہ یوسف علی نے لکھا تھا جو گجرات کاٹھیاوار کے رہنے والے، صاحب بہادر، آئی سی ایس اور انگریزی دانی میں بہت مشہور تھے۔ وہ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ ان کا بہت بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے جو ان کے مرصع اسلوب کا مظہر ہے۔ میرے زمانہ طالب علمی میں اہل علم اساتذہ کی سطح پر ان کے بہت سے لطائف گردش میں رہتے تھے مثلاً وہ اپنی کالی رنگت اور انگریزی وضع قطع اور بودوباش کے باعث ''کالے صاحب'' کہلاتے تھے۔ عربی سے نابلد تھے۔ چنانچہ وہ متداول انگریزی و اُردو تراجم کی مدد سے آیات کا مفہوم سمجھ کر انہیں اپنی مزین اور مرصع انگریزی میں ڈھالتے تھے اور یوں براہ راست عربی متن اور عربی تفاسیر کے بالا ستیعاب ذاتی مطالعے سے متمتع نہ ہونے کے باعث ان کے ترجمے میں اصل کی روح اور خوشبو نہیں آسکی۔ درانی صاحب نے ان کی عام شہرت سے متاثر ہو کر ان سے اپنی کتاب کا پیش لفظ لکھوایا مگر یہ پیش لفظ کتاب کی روح کا ترجمان نہ تھا اور اس سے نہ صرف کتاب کی افادیت مجروح ہوئی بلکہ اس مخلصانہ مشن کو بھی نقصان پہنچا جس کی ترویج وتبلیغ کے لئے یہ اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ درانی صاحب کو اس کا بے حد قلق ہوا جس کا انہوں نے اپنی دوسری کتاب The Last Prophet کے

دیباچے میں یوں اظہار کیا:

"کئی برس سے میری دلی تمنا تھی کہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر قلم اٹھاؤں۔ یہ بہت بڑا کام ہے اور بے انتہا فرصت کا متقاضی۔ اسی لئے میں نے سیرت طیبہ پر مبسوط مقالات لکھنے کا آغاز کیا اور یہ اسی سلسلے کا دوسرا مقالہ ہے۔ پہلا مقالہ Muhammad the Prophet اپنے انداز کی پہلی تصنیف تھی جو اس ملک میں بلکہ کسی بھی ملک میں شائع ہوئی۔ یہ ایک تجزیہ تھا، جو میری توقعات سے بڑھ کر کامیاب رہا۔ بلا استثنیٰ اسے ہر قاری نے سراہا۔ اس ضمن میں مجھے کوئی قلق ہے تو بس یہی کہ میں نے اس کا مقدمہ لکھوانے کے لئے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا اور اس پر مجھے اپنے احباب کی ملامت کا ہدف بھی بننا پڑا۔ مثلاً علی گڑھ کے ایک ذی علم استاد نے اسے پڑھ کر فرمایا:

"معاف کیجئے! یہ مقدمہ نہیں۔ یہ تو تنقیص ہے"۔

اسی طرح "مسلم کرانیکل" (مدراس) نے اسے خوردہ گیری پر محمول کیا۔ مقدمہ تو کتاب کا تعارف ہوتا ہے جس میں قاری کو اس کے مطالعے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس مسٹر یوسف علی اپنے مقدمے میں گویا بازو پھیلا پھیلا کر لوگوں کو اس کتاب سے دور رہنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ دراصل اسے چھپواتے وقت بھی مجھے اس کے ادبی معائب اور مصنف کی فرومائیگی کا احساس ہو رہا تھا لیکن بدقسمتی سے میں اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گیا جو بڑی شد و مد سے مسٹر یوسف علی کے حق میں ہو رہا تھا۔ یہ تو چند ماہ بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا ایک خطبہ پڑھنے کے بعد مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے بالکل بے بہرہ ہیں اور اسلام کے بارے میں ان کا مبلغ علم ایک متوسط درجے کے تعلیم یافتہ یورپین سے زیادہ ہرگز نہیں۔ ضرب المثل ہر فن مولا، کی طرح ان کی معلومات ہر موضوع کے بارے میں کھوکھلی اور سطحی ہیں اور اس کے باوصف وہ انا ولا غیری، کے مصداق مجھ ایسے حقیر کو تو چھوڑیئے، کسی کو بھی پرکاہ کی وقعت نہیں دیتے۔ وہ قرآن مجید کا ترجمہ شائع کر رہے ہیں، لیکن جو لوگ ان سے ذاتی طور پر واقف ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ عربی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے اور ان کا ترجمہ دیگر انگریزی اور اُردو تراجم پر مبنی ہے۔ یہ قرآن مجید کا منہ چڑانے کے مترادف ہے جو کسی طرح قابل برداشت نہیں"۔

درانی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر پر مجھے اسلامیہ کالج، لاہور کے اپنے استاد ڈاکٹر برکت علی قریشی، صدر شعبہ عربی یاد آ گئے جو عربی کے علاوہ انگریزی زبان اور قواعد کے بے بدل اور مستند عالم تھے۔ انہوں نے علامہ کے ترجمے میں ایسے کئی مقامات نشانات زد کیے ہوئے تھے جہاں انہوں نے عربی متن سے گریز پائی کو محض انگریزی کے زور پر نبھانے کی کوشش کی تھی یا جہاں ان کی انگریزی دانی ہی قابل گرفت تھی۔ میرے ایک اور استاد پروفیسر عبدالبشیر آذری، جو اقتصادیات کے استاد ہونے کے باوجود اسلامی علوم کے ایک ژرف نگاہ طالب علم تھے۔ علامہ عبداللہ یوسف علی کی نسبت یہ روایت بیان کرتے تھے:

"علامہ جن دنوں کالج کے پرنسپل تھے، وہ اتوار کے اتوار قرآن مجید کا "سرمن" فرماتے تھے۔ قاعدہ یہ تھا کہ جن آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرنا مقصود ہوتا، پہلے ان کی کسی سے تلاوت کرواتے اور پھر ان کی روشنی میں اپنا وعظ شروع کرتے۔ عام طور پر یہ تلاوت کوئی عربی دان استاد یا حافظ قرآن طالب علم کرتا۔ مجھے معلوم تھا کہ علامہ صاحب عربی سے نابلد ہیں۔ اس لئے ایک روز جب ہال میں تمام اساتذہ اور طلبہ کے روبرو مجھے تلاوت کے لئے کہا گیا تو میں نے از راہ شرارت مطلوبہ آیات کے بجائے کوئی اور آیات تلاوت کر دیں۔ علامہ صاحب نے ان ہی کو اپنی مطلوبہ آیات سمجھ کر جن کا ترجمہ اور تفسیر وہ تیار کر کے لائے تھے، اپنا وعظ کہنا شروع کر دیا اور ہم سب زیر لب مسکراتے رہے"۔

درانی صاحب انگریزی کے علاوہ عربی کا ذوق سلیم رکھتے تھے۔ ان کی دوسری کتاب The Last prophet اس وقت میرے سامنے ہے۔ انہوں نے اس میں اپنے موقف کی وضاحت کے لئے جابجا آیات قرآنی کا ترجمہ ایسے دلپذیر انداز میں کیا ہے کہ کلام کی روح کو آپ ہی آپ چھوتا نظر آتا ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ فرمائیے:

And He it is Who sends forth the winds bearing good news before His mercy. Until when they bring up a laden cloud, We drive it to a dead land. Then We send down water on it"

And He it is Who sends down water from the cloud,

then We bring forth with it buds of all plants, then We bring forth from it green foliage, from which We produce grain....."

Surely it is Allah Who causes the grain and the stone to gerninate...."

Have you considered what you saw: Is it you that cause it to grow, or do We make it grow?"

یہاں بے اختیار علامہ اقبال کی نظم الارض للہ یاد آتی ہے جہاں ان کی زبان واقعی الہام ترجمان ہوگئی ہے:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
وہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

اس کتاب پر ایسٹرن ٹائمز، لائٹ، لیڈر، ریویو آف ریلیجنز، بمبئی کرانیکل، مسلم ریویو، کنٹمپو ریری انڈیا وغیرہ جیسے وقیع جرائد نے شاندار تبصرے شائع کئے۔ اس ضمن میں علامہ اقبال کی یہ رائے بالخصوص قابل توجہ ہے:

It brings the reader into closer contact with the personality of the Holy Prophet"

درانی صاحب کا ایک اور مقالہ The Message of Islam غالباً سیرت طیبہ پر مقالات کے سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے۔ یہ تینوں مقالات طویل اور مبسوط ہیں اور اپنے فاضل مصنف کی علمیت اور بصیرت کے عکاس ہیں۔ The Last Prophet کے سرورق سے ظاہر ہوتا ہے کہ درانی صاحب نے ایک اور کتاب The Great Prophet بھی قلمبند کی ہے۔ ضرورت ہے کہ اسلام پر ان کی جملہ تخلیقات کو یکجا کر کے انہیں ایک مکمل جلد میں شائع کیا جائے۔

درانی صاحب کی ایک اور مستقل تصنیف The Meaning of Pakistan (مطبوعہ ۱۹۴۴ء) اپنے موضوع پر آج بھی ایک مستند رہنما کتاب ہے اور رواں دواں انگریزی میں نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کے پس منظر میں بہت سے اہم اور بنیادی عوامل وعناصر کا احاطہ کرتی ہے۔

درانی صاحب علامہ اقبال کے ارادت مندوں میں شامل تھے اور جناب م۔ش کے بیان کے مطابق وہ جاوید منزل میں عموماً تشریف لایا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہفت روزہ ''ٹروتھ'' کے لئے علامہ اقبال سے ایک خصوصی انٹرویو بھی حاصل کیا تھا جس کا ان دنوں بڑا چرچا ہوا تھا۔ اگر کسی صاحب کے پاس ''ٹروتھ'' کی فائلیں موجود ہوں تو اس انٹرویو کو دوبارہ شائع کیا جاسکتا ہے۔ بقول م۔ش کے ''درانی صاحب کا یہ اخبار عموماً اشتہارات سے محروم ہوتا تھا۔ میرٹ سرکولیشن کی بنا پر اخراجات کا پورا کرنا بہت مشکل کام تھا لیکن وہ ان تمام کٹھن حالات میں بھی ''ٹروتھ'' چلاتے رہے۔ اخبار کے سب ایڈیٹر، پروف ریڈر، کاپی جوڑنے والے، ڈسپیچ کرنے والے، غرضیکہ سب کچھ وہی وہ تھے''۔

شنید ہے کہ ایف۔کے۔خان درانی اول اول جماعت احمدیہ (لاہور) کی طرف سے بطور مبلغ جرمنی گئے تھے (جرمنی سے واپسی پر برطانوی خاتون جس کا اسلامی نام حلیمہ تھا) سے شادی کر لی، جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تولد ہوئے۔ وہ ایک فرض شناس شوہر اور ایک شفیق باپ تھے۔ ہر ماہ پیسہ پیسہ جوڑ کر انہیں نان و نفقہ کے لئے تقریباً پانچ سو روپے نہایت باقاعدگی کے ساتھ بھجواتے اور یہ سلسلہ کئی برس پر محیط رہا۔ عزلت گزیدہ درانی کو جب میں نے دیکھا تو اسلامیہ کالج ریلوے کے صدر دروازے کے سامنے عرب ہوٹل سے متصل قومی کتب خانہ کے اوپر بالا خانے میں رہتے تھے اور بے حد عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے مگر بڑے خوددار تھے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرتے تھے۔ ان کی غربت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات چائے کے ایک کپ کے پیسے بھی ان کے پاس نہ ہوتے تھے۔ محبّ گرامی احمد سعید کرمانی کو بہت عزیز رکھتے تھے جو اس وقت لاء کالج کے طالب علم تھے۔ وہ بتاتے ہیں:

''درانی صاحب سے میرا تعارف ۱۹۳۷ء میں ہوا اور تادم مرگ (۱۹۴۶ء)

رابطہ، محبت وعقیدت استوار رہا۔ انگریزی زبان پر ان کو حیرت انگیز قدرت تھی اور اس پر ان کا غرہ بجا تھا۔ انہوں نے بعض ناشرین کے اصرار پر انگریزی گرامر کی درسی کتابیں بھی لکھیں جو آج بھی مستند ہیں۔ وہ فقیر طبع اور روشن ضمیر تھے اور ہمیشہ امرا اور نوابوں سے ملنے سے گریز کرتے۔ ایک بار میں نے بہت اصرار کیا کہ وہ ممدوٹ ولا جا کر حضرت قائداعظم کے پاس آئے ہوئے ایک حیدر آبادی نواب سے ضرور ملاقات کریں۔ درانی صاحب نے حسب معمول انکار کیا۔ لیکن پھر میرے پیہم اصرار پر حامی بھر لی اور جب مل کر واپس آئے تو بہت خوش تھے، کہنے لگے:

''کرمانی! اگر میں ان سے ملنے نہ جاتا تو یہ میری زندگی کی بڑی محرومی ہوتی۔ وہ نواب صاحب، نواب بہادر یار جنگ تھے!''

کرمانی آج کل عدالت عالیہ میں ممتاز وکیل ہیں۔ تحریک پاکستان میں بے لوث کام کیا۔ حضرت قائداعظم، نواب زادہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر مرحوم کی نظروں میں مقبول و معتمد رہے۔ سیاست میں حصہ لیا تو وزارت اور سفارت کے منصب پائے۔ عالم جوانی میں بے حد خوبرو تھے۔ آج بڑھاپے میں بھی ہزاروں میں ایک ہیں۔ درانی صاحب کے بارے میں مجھ سے خوب خوب باتیں کیں، دوران گفتگو ز ورد ے کر کہا:

''چودھری صاحب! وہ ایک غیر معمولی انسان تھے۔ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ جب بیمار ہوئے تو بیوی بچے انگلستان میں ہونے کے باعث ان کے پاس کوئی نہ تھا۔ میں نے حتیٰ المقدور خدمت کی اور یہ میری زندگی کی بہت بڑی سعادت ہے۔ ان کی رحلت پر مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ ان کی آخری آرام گاہ قبرستان میانی صاحب میں غازی علم دین شہید کے مقبرے کے قریب ہے۔ اب تو شاید قبر کا نشان بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ اگر نشان مل جائے تو اس پر ''پاکستان کا ایک گمنام سپاہی'' کا کتبہ لگانا موزوں ہوگا''۔

آخر میں کہا: ''درانی صاحب کی رحلت سے چند ماہ قبل ہی ان کی انگریز بیوی اور ان کا بیٹا اور بیٹی دونوں یکے بعد دیگرے رخصت ہو گئے اور یوں یہ خانہ بے چراغ ہو گیا''۔

ایف۔ کے۔ خان درانی اب ایک فراموش شدہ عظمت ہے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

بقیہ صفحہ نمبر 20:

بھائی جان کرنل (ر) حنیف اختر ملہی کی یاد میں

بھائی جان نے خود بھی اپنی تعلیمی بہتری کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ایک بار سروس کے دوران آپ کی کوئٹہ پوسٹنگ ہوئی تو آپ نے وہاں یونیورسٹی جائن کی اور ایل ایل بی کا امتحان دے ڈالا۔ اور یونیورسٹی میں اوّل رہے اور ڈبل گولڈ میڈل کے حقدار ٹھہرے۔ ایک گولڈ میڈل یونیورسٹی کی طرف سے ملا اور دوسرا گولڈ میڈل قاضی عیسیٰ تحریک پاکستان کے رہنما کی طرف سے ملا۔ فوج کی طرف سے آپ کو سٹاف کورس کے لئے نامزد کیا گیا جو آپ نے 1965ء میں سٹاف اینڈ کمانڈ کالج، کیمبرے انگلینڈ سے پاس کیا۔

فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھائی جان حنیف اختر ملہی پہلے ایسوسی ایٹ پریس آف پاکستان (اے پی پی) میں بطور ڈائریکٹر کمیونیکیشن اور پھر واپڈا میں ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن بھی رہے۔

بھائی جان کے آخری دیدار کے موقع پر ہر شخص کی زبان پر کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ تھا جو ان کی انسان دوستی کا ثبوت تھا۔ اپنے مسلک سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں اپنی سروس میں ترقی کی بھی پرواہ نہ کرتے اور افسران کو ناراض کر دیتے۔ جماعت کے بزرگوں سے رابطہ میں رہتے اور اپنی خدمات پیش کرتے رہتے۔ آپ جماعت کے لئے فکرمند رہتے، اپنے تجربات اور رائے کا اظہار کرتے رہتے۔ باوجود کمزوری اور بیماری کے جمعہ میں حاضری ضروری سمجھتے۔ کوئی جلسہ یا جماعتی تقریب مس نہ کرتے۔ آخری سالانہ دعائیہ 2013ء میں بھی شمولیت کی۔ ایک بھرپور زندگی گذارنے کے بعد آپ 8 جنوری 2014ء کو اچانک ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

☆☆☆☆

بھائی جان کرنل (ر) حنیف اختر کی یاد میں

از: جسارت نذر رب صاحبہ

سمجھ نہیں آتی اپنی بکھری یادوں کو کیونکر ترتیب دوں ، بہرحال! ابتداء بدوملہی اور اپنے خاندان کے ذکر سے کرتی ہوں۔

ضلع سیالکوٹ (حال نارووال) میں بدوملہی ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہ قصبہ بیشتر ملہی جاٹ زمینداروں کا علاقہ ہے۔ ہمارے دادا جی چوہدری پیر احمد ملہی یہاں کے بڑے زمیندار تھے۔ ان کی اولاد میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں چوہدری سلطان علی بڑے، چوہدری سید احمد منجھلے اور غضنفر علی چھوٹے تھے۔ ساری اولاد خدا کے فضل سے احمدیت کے نور سے منور تھی۔ خود ہمارے دادا جی بھی حضرت مجدد وقت کے مخلصین میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' کے ضمیمہ کے صفحہ نمبر 189 پر لیکھرام سے متعلق پیشگوئی کے مصدقین میں ان کا نام 234 نمبر پر درج فرمایا ہے۔

1901 اور 1902ء میں جب ہندوستان اور خصوصاً پنجاب میں طاعون پھیلی تو اس وباء سے بچاؤ کی غرض سے دادا جی اپنی اندرون شہر کے مکانات چھوڑ کر شہر سے دور اپنے چند کارندوں کے ہمراہ اپنی زمینوں پر کھلے علاقہ میں منتقل ہوگئے۔ اس جگہ کا نام کوٹ پیر احمد رکھا گیا۔ اور دادا جی کے تینوں بیٹوں نے اسے آباد کیا۔ تینوں بیٹوں میں سے دو بیٹے چوہدری سلطان علی اور چوہدری غضنفر علی سندھ پولیس میں ملازم ہوگئے جبکہ میرے والد چوہدری سید احمد نے اپنے باپ کی وفات کے بعد زمینوں کی دیکھ بھال کا کام سنبھالا اور گاؤں میں رہ کر سب بہن بھائیوں کی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ میرے والد چوہدری سید احمد ملہی بدوملہی کے نمبردار تھے۔ میرے تایا جی پولیس انسپکٹر ریٹائر ہوکر گاؤں آئے تو لوگ انہیں تھانیدار کہتے اور چاچا جی کو حوالدار۔ چاچا جی کے اکلوتے بیٹے چوہدری غفور احمد ملہی حضرت امیر جماعت احمدیہ لاہور کی تحریک پر وقف زندگی ہوئے اور ساری عمر جماعت کی خدمت میں گذاری۔

بدوملہی میں ہمارے عزیزوں میں سے چوہدری سرفراز احمد ملہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت قریبی اور مخلص ساتھی تھے۔ آپ نے علاقہ کالر میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا نام 313 کی خوش نصیب جماعت میں شامل کیا۔ چوہدری سرفراز احمد (چوہدری عبدالحق کے والد محترم) پانچ بھائی تھے۔ ان سے چھوٹے چوہدری غلام حیدر، چوہدری غلام قادر، چوہدری محمد شفیع (بیگم عظمت رفیق دارالسلام کے والد محترم) اور چوہدری ضیاء اللہ تھے۔ ان بھائیوں میں سے چوہدری غلام حیدر کو اللہ نے مال و دولت، عزت و جاہ سے خوب نوازا۔ آپ اسلام اور احمدیت کے لئے بڑی غیرت رکھتے تھے۔ ان کے اکلوتے بیٹے نصیر احمد ملہی مرحوم جو کہ ''لارڈ ملہی'' کے نام سے مشہور تھے۔ پنجاب میں وزیر تعلیم بھی رہے۔

اُس زمانہ میں تحصیل نارووال میں عیسائیت کا زبردست حملہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں نارووال کے بڑے بڑے مسلمان، ہندو اور برہمن عیسائی ہوگئے۔ ان میں علاقہ کالر کے دو بڑے مسلمان خاندان جو جاگیردار بھی تھے، عیسائی ہوگئے۔ اس سے عیسائی مشنریوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور انہوں نے اس علاقہ میں مشن کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے ایک مشن ہائی سکول قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ خوش قسمتی سے ان دنوں احمدیہ انجمن لاہور نے اس کے توڑ کے لئے اس علاقہ میں تعلیمی ادارہ کے قیام کے لئے پروگرام بنایا۔ چنانچہ جماعت احمدیہ بدوملہی کی درخواست پر انجمن نے بدوملہی میں ایک ہائی سکول کی منظوری دی۔ بدوملہی کے احمدیہ زمینداروں نے اپنی وسیع زمینیں سکول کے لئے پیش کرنے کے علاوہ پوری جماعت بدوملہی نے مقدور بھر دامے درہمے بھی بھرپور تعاون کیا اور ان اخراجات کا بیشتر حصہ چوہدری غلام حیدر نے برداشت کیا، جس کی وجہ

سے اس کا نام جی ایچ مسلم ہائی سکول رکھا گیا۔ یہ سکول ہماری زمینوں پر ہمارے گھروں کے بالکل قریب 1920ء میں بنا۔

جی ایچ مسلم ہائی سکول اپنے اردگرد کے علاقہ کے دیہات کی ضرورت پوری کرتا تھا۔ کیونکہ اس علاقہ میں اور کوئی ہائی سکول نہیں تھا۔ اس سکول میں ہر مذہب کے طلباء زیرِ تعلیم تھے جن میں ہندو، سکھ، عیسائی مسلمان اکٹھے پڑھتے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے، اسی طرح سٹاف میں بھی مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کا عملہ بھی شامل تھا البتہ احمدی اساتذہ زیادہ تھے۔ ہندوؤں کے لئے سنسکرت کا مضمون پڑھایا جاتا جسے مسلمان بھی شوق سے پڑھتے۔ میرے بڑے بھائی امان اللہ نے بھی میٹرک تک سنسکرت پڑھی۔ سکول کا تعلیمی معیار نہایت اعلیٰ تھا۔

اس سکول کے بانی ہیڈ ماسٹر خان محمد اسلم خان تھے۔ جن کا تعلق گجر خان سے تھا اور وہ اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے۔ انہوں نے تقریباً 30 سال تک بدوملہی کے اس سکول کو نہایت کامیابی سے چلایا۔ میرے بھائیوں کے علاوہ ہمارے دیگر رشتہ داروں کے سب بچے بھی اسی سکول میں پڑھے اور خان صاحب نے اپنی قابلیت ان سب میں سرایت کرنے کی کوشش کی۔ ان کے اپنے دو بیٹے ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی اور ڈاکٹر سلیم احمد صدیقی جو ماہرِ قلب اور ماہرِ کینسر ہیں، اس وقت اسلام میں اپنے اپنے شعبہ میں کامیابی سے کام کر رہے ہیں۔

سکول کے دوسرے ہیڈ ماسٹر شیخ رضی الدین صاحب تھے جو نہایت شریف، خاموش طبع، اصول پرست، بڑی دھیمی طبیعت کے مالک اور محترم نصیر احمد فاروقی صاحب کے سگے ماموں تھے۔

سکول کے تیسرے ہیڈ ماسٹر عبدالحفیظ بٹ صاحب (ایڈووکیٹ ضیاء الحق طاہر بٹ، اے ایچ خالد بٹ، میجر (ر) اعجاز الحق بٹ صاحب کے والد محترم) تھے۔ ریاضی کے ماہر، اپنے ذہین طلباء پر فخر کرنے والے، بڑے دبنگ اور دبدبہ والے۔ اور سکول کے چوتھے ہیڈ ماسٹر حلیم طبع اور خود ساختہ عبدالغنی صاحب (ماسٹر ممتاز احمد، شاہدرہ کے والد محترم) تھے۔

عربی کے استاد مولوی مسیح الزمان صاحب اس لئے قابلِ ذکر ہیں کیونکہ ان کی محنت اور توجہ سے بھائی جان حنیف اختر کی عربی کی بہترین بنیاد بنی اور وہ آئندہ کے لئے اس مضمون میں پنجاب یونیورسٹی میں گولڈ میڈل لے سکے۔ اور اسی بناء پر فوج کی طرف سے الازھر یونیورسٹی، قاہرہ (مصر) گئے۔ جہاں پر مختلف ممالک کے فوجی شرکائے کورس میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور واپسی پر پاک فوج کے عربی ترجمان مقرر ہوئے۔ میں نے اس سکول اور اساتذہ کرام کا تفصیلی اور خصوصی ذکر اس لئے کیا ہے کہ ان قابلِ احترام اساتذہ کی تعلیم و تربیت نے ہی بھائی جان جیسے بے شمار قابلِ فخر سپوت پیدا کئے۔

اب میں اپنے گھر کی طرف آتی ہوں:

اپنے ابا جی کی اولاد میں ہم چھ بہن بھائی تھے، چار بھائی اور دو بہنیں، بھائیوں میں بالترتیب محمد زکی، بخت ناصر، امان اللہ اور حنیف اختر، آپا دلشاد رضا بھائیوں سے بڑی تھیں اور راقم الحروف بھائی جان حنیف اختر سے آٹھ سال چھوٹی تھی۔ ان میں سے آپا جان اور تین بھائی وفات پا چکے ہیں۔ ایک بھائی بخت ناصر بفضل خدا زندہ سلامت ہیں اور وہ پی آئی اے سے بطور ہر چیز مینیجر ریٹائر ہونے کے بعد آج کل امریکہ شفٹ ہو چکے ہیں۔ جہاں پر پہلے سے ہی ان کے تینوں بیٹے بھی بحیثیت امریکی شہری آباد ہے۔

بھائی جان حنیف اختر نے پانچویں جماعت 1941ء میں پاس کر کے مسلم ہائی سکول میں چھٹی میں داخلہ لیا۔ 1946ء میں آپ نے بہترین نمبروں کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا۔ اور اسلامیہ کالج پشاور جہاں ہمارے بہنوئی محمد صادق پروفیسر تھے۔ ایف اے میں داخلہ لیا۔ ایک سال ہی وہاں پڑھا تھا کہ 1947ء کے بعد ہمارے بہنوئی پشاور سے سیالکوٹ شفٹ ہو گئے چنانچہ بھائی جان حنیف اختر نے مرے کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیا اور 1948 میں بہترین نمبروں سے ایف اے کیا اور وظیفہ بھی حاصل کیا۔ بی اے کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور کا انتخاب ہوا اور آپ نے وہاں سے 1950ء میں عربی آنرز کے ساتھ بی اے کی ڈگری بڑے اعزاز سے حاصل کی۔ یونیورسٹی میں ٹاپ کیا اور گولڈ میڈل بھی حاصل کیا۔ الحمد للہ۔

1950ء میں سالانہ امتحانات سے فارغ ہو کر ہم سب بھائی جان بخت ناصر کے پاس کراچی گئے۔ وہاں گارڈن روڈ پر نماز جمعہ ہوتی جہاں مرزا ولی احمد بیگ صاحب کی رہائش بھی تھی۔ حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ ان دنوں بیمار پرسی کے لئے گئے تو بھائی جان حنیف اختر بھی ساتھ تھے۔ حضرت امیر کو جب بھائی جان کی تعلیمی قابلیت کا معلوم ہوا تو آپ نے ان کو قرآن کریم کی پروف ریڈنگ کا کام سپرد کر دیا۔ حضرت امیرؒ کے ساتھ کام کرتے ہوئے ابھی ایک ماہ ہی ہوا تھا کہ بھائی جان کو جی ایچ کیو سے انٹرویو کال آ گئی۔ ابا جی نے حضرت امیرؒ سے عرض کیا کہ حنیف اختر کو فوج میں کمشن کے لئے کال آئی ہے لیکن اس کی خواہش ہے کہ مزید تعلیم حاصل کرے اور سول سروس میں جائے۔ حضور کا کیا حکم ہے! حضرت امیرؒ نے فرمایا کہ قدرت جو اچھا موقع فراہم کرے، اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ آپ نے ان کی کامیابی کے لئے دعا بھی کی، لہذا امیر قوم کی نصیحت کا احترام کرتے ہوئے بھائی جان انٹرویو کے لئے گئے۔ پی ایم اے لانگ کورس کے لئے منتخب ہوئے اور ستمبر 1950ء میں ٹریننگ کے لئے کاکول اکیڈمی پہنچ گئے۔

دوران ٹریننگ گھوڑے سے گر کر شدید زخمی ہوئے اور کورس میں اپنے دیگر ساتھیوں سے چھ ماہ پیچھے رہ گئے۔ اس حادثہ کی اطلاع گھر میں نہیں تھی۔ مگر ہماری آپا دلشاد رضا جو شاعرانہ مزاج رکھتی تھیں اور بھائی سے بے پناہ محبت بھی اس موقع پر اپنے ایک پریشان خواب کا ذکر اپنے شعروں میں یوں کرتی ہیں:

پردیسی بھیا کیسے ہو اک خواب پریشان دیکھا ہے
بیٹھے ہو چشم پُرنم سے باد یدۂ گریاں دیکھا ہے
اللہ نہ کرے حالات بُرے اس ہنس مکھ بھیا میرے کے
حالات بُرے تھے جب بھی اس کو شادان فرماں دیکھا ہے
بائیس برس کے ہو افسر جادۂ ترقی پہ ہی چلو
اپنے تو تصور میں تم کو اس ملک کا سلطان دیکھا ہے

1953ء میں بھائی جان کاکول سے پاس آؤٹ ہوئے۔ انہیں سگنلز کا شعبہ ملا اور ان کی پہلی تقرری ڈھاکہ میں ہوئی۔ گاؤں آئے تو اس موقع پر ایک بڑا اجتماع ہوا اور ابا جی نے اس خوشی کے موقع پر ایک نظم لکھی جس میں بھائی جان کے لئے کچھ نصیحتیں تھیں۔ اس نظم کے چند شعر جو یاد ہیں کچھ اس طرح تھے:

نصیحت ہے اختر اسے یاد رکھنا
نہ اترانا ہرگز خدا یاد رکھنا
ڈیوٹی پہ اپنی تم ہوشیار رہنا
جو احکام افسر کے ہوں یاد رکھنا
جو نیچے ہوں ان سے کرو مہربانی
ہیں اللہ کے بندے سبھی یاد رکھنا
نمونہ ہو تم دوسروں کے لئے بھی
نہ گر جان ہرگز اسے یاد رکھنا

بھائی جان نے اپنے باپ کی نصیحت کو ہمیشہ پلے باندھا۔ ان کی خوشنودی کا خیال رکھا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت ان کا شیوہ تھا۔ بہت صاف دل، صاف گو، محنتی، فرض شناس، وقت کے پابند، وعدہ کے پابند، خوش لباس، خوش خوراک، غریب نواز اور بہت ہی ملنسار تھے، انہوں نے ساری عمر ہر رشتہ دار، ہر دوست، ہر واقف کار کی ہر ضرورت کا خیال رکھا۔ اپنی کئی ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کی دعائیں لیں۔

بھائی جان حنیف اختر کی اولاد میں سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ آپ نے اپنے بچوں کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ انہیں معیاری اداروں میں داخل کروایا۔ آپ کے تین بیٹے سمیع بن حنیف، شجیع بن حنیف اور ودیع بن حنیف کیڈٹ کالج حسن ابدال سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پاکستان آرمی میں گئے اور بھائی جان کی زندگی میں ہی تینوں بحیثیت کرنل ریٹائر ہوئے۔ ایک بیٹا بقیع بن حنیف سی ایس ایس کر کے آج کل جنرل ہسپتال لاہور میں ڈائریکٹر فنانس ہے۔ ایک بیٹا عمر سجید ڈینٹل سرجن ہے۔ اور حال ہی میں کینیڈا شفٹ ہو گیا ہے۔ اکلوتی بیٹی نمانیہ حنیف بھی ڈاکٹر ہے اور فیصل آباد سوشل سیکورٹی ہسپتال میں کام کر رہی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر17)

جنت اور حوروں کا تصور

از: میجر (ر) اعجاز الحق بٹ صاحب

ہمارے معاشرے میں جنت اور حوروں کا ایک غلط تصور پایا جاتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس دنیا میں جو لوگ مصیبتوں اور تکلیفوں میں زندگی گذارتے ہیں اگلے جہان میں راحت اور جنت میں ہوں گے۔ اور بعض کا خیال ہے جو نیک لوگ ہیں ان پر مصیبتیں تو ضرور آتیں ہیں لیکن وہ صرف آزمائش کے لئے ہوتی ہیں۔ اگر وہ صبر اور استقامت اختیار کرتے ہیں تو وہ تکالیف دور کر دی جاتی ہیں اور پھر آخرت میں ان کو جنت کی نعما دی جائیں گی۔ جن سے وہ لطف اندوز ہوں گے ۔بعض کا خیال ہے کہ ساری راحتیں اس دنیا میں ہی ہیں اگلا جہان کس نے دیکھا ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ بابر بادشاہ کا قول سناتے ہیں:

''بابر باعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''

پھر حوروں کا تصور بھی مختلف لوگوں میں مختلف ہے بعض کا خیال ہے کہ ہر جنتی کو 72 حوریں ملیں گی اور پھر وہ شہوانی خیالات کے مطابق ان کے استعمال کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور اس طرح دوسرے مذاہب کو اسلام کے خلاف باتیں کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں ۔ یہ تو جاہل لوگوں کے خیالات ہیں لیکن جب آپ ڈاکٹر ذاکر نائیک کو ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں جب ایک لڑکی اس سے سوال کرتی ہے کہ مردوں کو تو 72 حوریں ملیں گی لیکن عورتوں کو کیا ملے گا۔ جس کا جواب وہ دیتا ہے کہ عورتوں کو بھی 72 حوریں ملیں گی۔ چونکہ حوروں کا Gender قرآن میں نہیں دیا گیا اس لئے عورتوں کو 72 مرد حوریں ملیں گی اور مردوں کو 72 عورت حوریں ملیں گی۔ اس کے اس جواب کو عیسائی مشنریوں نے خوب اچھالا ہے اور اپنے شہوانی خیالات کا دل بھر کے اظہار کیا ہے۔ کیا یہ تصورات جنت اور حوروں کے درست ہیں؟ ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کی سورۃ الصفت 37 آیت نمبر 39 تا 49 میں فرماتا ہے:

''اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر وہی جو تم کرتے تھے۔ مگر اللہ کے مخلص بندے۔ ان کے لئے رزق ہے جس کی خبر دی گئی ہے (یعنی) پھل اور وہ باعزت۔ نعمتوں والے باغوں میں۔ تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ ان میں ایک پیالہ پھرایا جائے گا صاف پانی کا (شراب) سفید پینے والوں کے لئے لذت والا۔ نہ اس میں ہلاکت ہوگی اور نہ وہ اس سے متوالے ہوں گے۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی بڑی آنکھوں والی ہوں گی۔ گویا کہ وہ محفوظ کیے ہوئے انڈے ہیں۔''

اور پھر سورۃ الدّخان 44 آیات نمبر 50 تا 57 میں آتا ہے:

''متقی امن کی جگہ میں ہوں گے۔ (یعنی) باغوں اور چشموں میں۔ باریک اور موٹا ریشم پہنیں گے، ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھیں گے)۔ ایسا ہی ہوگا، اور ہم انہیں خوبصورت حوروں کے ساتھی بنا دیں گے۔ اس میں حالت امن میں ہر قسم کے پھل منگوائیں گے۔ اس میں کوئی موت نہیں چکھیں گے سوائے پہلی موت کے (جو چکھ چکے) اور اس نے انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا دیا۔ تیرے رب کی طرف سے فضل ہے، یہی بڑی کامیابی ہے''۔

اور پھر سورۃ الطّور 52 آیات نمبر 20 تا 24 میں آتا ہے:

''برابر بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے ہوئے اور ہم انہیں خوبصورت حوروں کا ساتھی بنا دیں گے۔ اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہیں کریں گے، ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے۔ اور ہم انہیں پھل اور گوشت جس سے وہ چاہیں، پے در پے دیں گے۔ وہ اس میں ایک دوسرے سے وہ پیالہ لیں گے جس میں نہ لغو ہے اور نہ گناہ۔ اور ان کے آس پاس ان کے غلام پھرتے ہوں گے گویا کہ وہ پردے میں رکھے ہوئے موتی''۔

اور پھر مزید سورۃ الرحمٰن 55 آیات نمبر 56 تا 58 میں آتا ہے:

''ان میں نگاہوں کو نیچی رکھنے والی ہوں گی جنہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ جن نے۔تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں''۔

''حوریں جو خیموں میں ٹھہرائی ہوئی ہیں۔تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔انہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور جن نے''۔(سورۃ الرحمٰن آیت 72 تا74)

''ان پر ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے لڑکے پھر رہے ہوں گے ''(سورۃ الواقعہ آیت نمبر 17)

''اور خوبصورت حوریں،محفوظ رکھے ہوئے موتیوں کی طرح''۔

(سورۃ الواقعہ آیت نمبر 23-22)

''ہم نے انہیں ایک نئی پیدائش میں اٹھا کر کھڑا کیا ہے،پس انہیں جوان بنایا ہے،محبت والیاں ہم عمر''۔(سورۃ الواقعہ آیت نمبر 35 تا37)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیات سے جنت اور حوروں کے بارے میں کیا تصور اُبھرتا ہے۔کیا حوریں۔لڑکے جو بکھرے ہوئے موتی ہیں اور ہم عمر ساتھی ہیں کیا وہ شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ہیں یا روحانی تسکین کے لئے ہیں۔اور کیا یہ دونوں چیزیں حوریں اور لڑکے کیا دونوں Genders کے لئے ہیں یا صرف مردوں کے لئے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری نعمتیں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہیں۔تو اس سے یہ تصور بھی اُبھرتا ہے کہ یہ صرف خوبصورتی کے لئے اور ذہنی تسکین کے لئے ہیں۔ان باتوں کو ایک شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے تو دنیا میں گھوما پھرا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن میں یہ بھی فرماتا ہے کہ ان کو کہو زمین میں سیر کرو اور پھر تم دیکھو گے کہ انکار کرنے والوں کا کیا حشر ہوا یعنی جب انسان اللہ کی زمین پر سیر کرتا ہے تو بعض جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتی خوبصورتی پر اس قدر گم ہو جاتا ہے اور اس کو ایسی تسکین ملتی ہے کہ وہ بے اختیار پکار اُٹھتا ہے سبحان اللہ مثلاً آپ پاکستان کے شمالی علاقاجات میں چلے جائیں تو ایسی خوبصورتی نظر آتی ہے کہ انسان اس خوبصورتی میں گم ہو جاتا ہے۔حالانکہ وہاں نہ آپ کو کوئی حور نظر آئے گی نہ وہ لڑکے جن کو موتیوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

لہذا حوریں صرف خوبصورتی کا سنبل ہوں گی جن کی خوبصورتی سے جنتی عورتیں اور مرد دونوں لطف اندوز ہوں گے یعنی ان کو تسکین ہوگی نہ کہ شہوانی لذت ملے گی۔

یہاں میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں:

جب ایک بوڑھی عورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی تو اس نے عرض کیا کہ وہ جنت میں جائے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی تو وہ رونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں جنت میں جا کے جوان ہو جائیں گی۔

اور پھر آپ نے سورۃ الواقعہ کی آیت نمبر 35 تا37 پڑھیں جن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ہم نے انہیں ایک نئی پیدائش میں اٹھا کر کھڑا کیا ہے پس انہیں نو جوان بنا یا ہے۔محبت والیاں ہم عمر''۔

لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنتیوں کو ان کی بیویاں نو جوان کر کے عطا کی جائیں گی اور اس طرح عورتوں کو ان کے خاوند نو جوان کر کے عطا کئے جائیں گے اور ان کی قدورتیں دور کر دی جائیں گی اور ان میں پیار اور محبت بڑھا دی جائے گی۔باقی حوریں اور لڑکے صرف خوبصورتی کے لئے ہوں گے۔ویسے بھی عربی زبان میں جب کسی خوبصورتی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو عورتوں کی مثال دی جاتی ہے۔جیسے حضرت صاحب اپنی کتاب ''حمامتہ البشریٰ میں فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کے اسرار مجھ پر کھل گئے ہیں اور خدائے علیم اور سہولت پیدا کرنے والے نے میرے لئے سہولتیں پیدا کر دیں ہیں گویا کہ کنواری لڑکیان روشن چہروں کے ساتھ گہری غار سے نکلی ہیں''۔

☆☆☆☆

فلاحی تحریکیں اور رابطہ باہمی (ایک جائزہ)

از: چوہدری ناصراحمد ایم ۔اے

تحریک احمدیہ لاہور ایک خالص دینی اور فلاحی تحریک ہے۔ یہ کسی قسم کی شورش یا سیاسی ہتھکنڈوں سے تعلق نہیں رکھتی۔ حب الوطنی اس کا بنیادی مقصد ہے۔اس کی کامیابی کے لئے ہر فرد اپنی پوری صلاحتیں صرف کرنے کا پروگرام رکھتا ہے۔تحریکوں کی کامیابی کے لئے کرنے والا کام یہ ہوتا ہے کہ اس کی جڑوں کو سوکھنے نہ دیا جائے۔ اگر جڑ سوکھ رہی ہو تو پتوں پر پانی چھڑکنے سے پانی کا ہی ضیاع ہو جاتا ہے۔

تحریکوں کی زندگی میں بعض ایسے واقعات آتے ہیں جن کی یاد قائم رکھنا ہی ان تحریکوں کے تسلسل حیات کے لئے ضروری ہوتا ہے۔امام الزمان کے فرمان کے مطابق تحریک لاہور کے ممبران جب اپنی جان اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور اپنی فطری صلاحتیں راہِ خدا میں پیش کر دیتے ہیں تو پھر خدا اپنا وعدہ یوں پورا کر دیتا ہے:

''ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی''۔(152:6)

جب فلاحی تحریکوں کے احباب اپنے اندر مومنانہ صفات پیدا کر لیں تو وہ پھر حکم خداوند کے مطابق ہی اپنے امور باہمی مشاورت سے نپٹاتے ہیں ''امرهم شورىٰ بينهم''

اگر باہمی رابطہ کمزور ہو جائے اور افراد مایوس اور دل برداشتہ ہو جائیں اور پھر اپنے استقلال کا دامن بھی چھوڑ دیں تو تحریکوں کی ناکامی شروع ہو جاتی ہے ۔اس لئے اسلام کی بنیادی خصوصیت عمل ہے ۔صرف جذبات سے کام نہیں چلتے اور نہ باتیں کرنے سے۔آج کل غور کر کے دیکھ لیں کہ تحریکوں میں ایسے افراد بھی عہدے حاصل کر لیتے ہیں جو معتبر بننے کے لئے آگے پیچھے تو پھرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن عملی کاموں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ مذہبی لحاظ سے بھی دیکھ لیں کہ مزاروں پر چادریں چڑھاتے اور غسل دیتے نظر آتے ہیں لیکن انسانی فلاح کے لئے کام کرتے دکھائی نہیں دیتے۔حکومت میں دیکھ لیں کہ بعض منتخب نمائندے برملا منشیات فروشوں کے سرپرست تک ہوتے ہیں۔ان کی پشت پناہی کی وجہ سے معاشرہ میں قبضہ گروپوں کو دندناتا ہوا دیکھا جاسکتا ہے ۔ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو عامتہ الناس کے جائز کاموں کے لئے بھی کروڑوں کی رشوت لیتے ہیں۔اس کے باوجود پھر عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو جاتے ہیں حالانکہ عام لوگ گھر میں ملازم رکھنے کے لئے بھی دیکھتے ہیں کہ ایماندار ہو اور کوئی نہ کوئی خوبی اس میں ہو۔پس یہی وجہ ہے کہ تحریکوں کی کامیابی ایماندار اور خوبیوں والے افراد کی مرہون منت ہوتی ہے۔

اب میں احباب جماعت سے اپیل کرتا ہوں کہ کیا ہمارے قدم ماضی کے مقابلہ میں آگے بڑھے ہیں یا نہیں ۔ اگر آگے بڑھے ہیں تو جماعت کا شمار زندوں میں ہوگا ورنہ نفس شمار کی زندگی سمجھ کر اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

امام الزمان کی تعلیمات قرآنی کے سپہ سالار مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے 1914ء کو لاہور میں ایسے ممبران کی تشکیل بندی کی کہ جنھوں نے انسانوں کی سیرت و کردار میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔وہ جانتے تھے کہ ممبران کے علم اور اخلاق دونوں کے امتزاج سے انسان کما حقہ زندگی کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ فرمان خداوندی ہے:

''جس کے قلب و نگاہ میں پاکیزگی نہیں اُسے قرآن سے کیا مس ہوسکتا ہے''۔(56:79)

اعلیٰ اقدار والی سچی تحریکوں کی مخالفت ہونا اور روز اوّل سے لازمی امر ہے

کیونکہ جب بھی کوئی رسول آیا اور اس نے اعلان کیا کہ:

''اطاعت صرف خدا کی کر واس کے سوا کسی کو حق اقتدار نہیں ہے''۔

(23:3)

تو مذہبی ٹھیکیدار اُٹھ کھڑے ہوئے اور عوام کے جذبات کو اس طرح بھڑکا یا کہ اس شخص کی باتوں میں نہ آنا یہ تو اسلاف کے راستے سے بھٹکا تا ہے۔ ذرا قرآنی رشد و ہدایت کا سلسلہ دیکھیں اس کا آغاز داستان نوح سے ہوا۔ قرآن کہتا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے خدا کا پیغام قوم کے سامنے پیش کیا تو مذہب پرست طبقہ اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگے کہ:

''ہم نے اپنے اسلاف سے ایسی کوئی بات نہیں سنی اس لئے ہم اسے ماننے کو تیار نہیں۔''

پھر حضرت صالح علیہ السلام آئے تو پیغام خداوندی کے جواب میں اُن سے بھی یہی کہا گیا کہ:

''اچھا تو اس لئے آیا ہے کہ ہم سے ان معبودوں کو چھڑا دے جن کی پرستش ہمارے اسلاف کیا کرتے تھے۔ ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار نہیں''۔(11:62)

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ مٹی کی مورتیاں جن کے ساتھ تم چمٹے ہوئے ہو۔ان کے معبود ہونے کی تمہارے پاس دلیل کیا ہے۔تو انہوں نے بھی یہی کیا کہ ہمارے اسلاف ان کی پرستش کیا کرتے تھے لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی اس دلیل کے بودہ پن کو واشگاف کیا تو انہوں نے شور مچا دیا اور قوم کو پکارا کہ اس کو مارو۔جلا دو، یہ تمہارے اسلاف کے حق میں گستاخی کرتا ہے۔آگے بڑھیئے پھر جب مدین میں حضرت شعیب رضی اللہ عنہ نے اقتدار خداوندی کی دعوت دی تو انہیں بھی یہی جواب ملا کہ اے شعیب تمہاری اس دعوت کا تو مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کا راستہ چھوڑ دیں۔ پھر آسمانی دعوت انقلاب کے ردعمل کے طور پر اس قسم کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا کہ کیا ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دے جن پر ہمارے اسلاف کار فرما تھے اور پھر اس سلسلہ کی آخری کڑی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہی دعوت پیش کی گئی تو جواب یہی ملا کہ:

''جو کچھ تم کہتے ہو ہم نے اپنے اسلاف سے یہ نہیں سنا ہوا ہے''(38:7) اس لئے ہم اس دعوت کو قبول نہیں کرتے غرضیکہ نوح ہوں یا ہود۔صالح ہوں یا شعیب۔موسیٰ ہوں یا نبی پاک۔ جب جہاں اور جس نے بھی خالص پیغام خداوندی کی دعوت دی اُسے یہی جواب ملا کہ ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے ہم اپنے اسلاف کے طریقہ پر چلتے جائیں گے۔(43:22)

پھر اگر ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تمہارے اسلاف کو حقیقت کا کچھ علم نہ ہو وہ ساری عمر غلط راستے پر چلتے رہے ہوں تو کیا پھر بھی تم انہیں کا اتباع کرو گے تو آگے سے جواب ملتا ہے کہ تم اپنی دعوت سنبھال کر رکھو۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے راستے پر چلتے رہیں۔(5:104)

نبی پاک صلعم پر نبوت تو ختم ہوگئی مگر سلسلہ رشد و ہدایت امت مسلمہ کے بزرگان و مجددین کے ذریعہ آگے بڑھتا ہے۔اسی کڑی کو امام الزمان نے آگے بڑھانے کے لئے پاکیزہ انسانوں کا گروپ تشکیل دیا اور تحریک احمدیہ لاہور کے بزرگوں نے اس میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن اس کی صداقت کو چھپانے کے لئے مذہبی منافقت نے بڑی تکنیک سے کام لیا۔قرآن ان کی منافقت کی روش کو یوں بیان کرتا ہے:

''وہ سچی بات کو چھپا کر رکھتے ہیں کیونکہ اس کے ظاہر ہونے سے ان کی نقاب دری ہوجاتی ہے۔حقائق اور صداقت کو چھپانے کے بعد اپنی مصلحتوں کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں۔فتوے لکھے جاتے ہیں اور عوام کے سامنے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شریعت خداوندی کے فیصلے ہیں۔ یقین کریں ایسے بھی لوگ ہیں جو بند کمروں میں بیٹھے مولویوں کو گالیاں دیتے ہیں اور ان کے پیش کردا اسلام پر تبریٰ بھیجتے ہیں۔ ''قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم''

مگر کمروں کے باہر نکل کر جھک جھک کر ان کو سلامیں بھی کی جاتی ہیں۔

جب غلط تعلیم کو مجبوراً یا زبردستی منوایا جائے تو اس کی مثال آکاس بیل جیسی ہوتی ہے جو خود تو پھیلتی جاتی ہے مگر جس درخت (اسلام) پر چڑھتی ہے اس کو کمزور کرتی جاتی ہے۔ ذہن پر زور دے کر پتہ چل جاتا ہے کہ تحریک لاہور جو مسلک اور عقائد دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے ۔ اس سے اسلام کی اجتماعیت کی خصوصیت نمایاں ہوتی ہے مگر بقیہ تمام فرقوں بشمول قادیانی گروہ ایک دوسرے کی طرف اتنے فتوے دے چکے ہیں کہ پاکستان میں کوئی مسلمان بچتا نظر نہیں آتا ہے۔لیکن اس صورت حال کے باوجود فرقوں کے نمائندے نظام مصطفےٰ نافذ کرنے کے مدعی ہیں۔

ہمیں اپنے رب ذوالجلال کے وعدوں پر یقین کامل ہے کہ

خدا خود مے شود ناصر اگر ہمت شود پیدا
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

ہم تو اسلام کو ایسے مانتے ہیں کہ وہ پوری انسانیت کی صلاحیتوں کو نشوونما دیتا ہے اور ان ہی صفات خداوندی کا دوسرا نام مستقل اقدار ہوتا ہے۔معاشرہ کو بدلنے کے لئے چند افراد ہی ہراول دستہ کا کام کرتے ہیں۔

جانے لوگ کثرتِ تعداد کو کیا سمجھتے ہیں
شیر جنگل میں اکیلا ہی بہت ہوتا ہے

اس تحریک کے بانی نے قرآنی پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا ہمیں حکم دیا ہے کیونکہ قرآن کا پڑھنا اور سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآنی تعلیمات کا زندگی میں نفاذ بڑا مشکل مرحلہ ہے لیکن جب باشعور انسانوں میں کچھ کرنے کی آرزو پیدا ہو جائے تو وہ ضرور کچھ کر گذرتے ہیں ۔ آج کل تو اتنے معاشرتی بگاڑ پیدا ہو چکے ہیں کہ احباب آپس کے مسائل میں ضد نہ کریں کیونکہ

مسئلے ضد سے الجھتے ہیں سلجھ سکتے نہیں
دوست نہ سمجھیں تو اپنے آپ کو سمجھاؤں گا

ضروری ہو گیا ہے کہ احباب اپنے گھروں کے اندر سے رابطے شروع کریں تا کہ ساتھیوں کی ہمتیں اور حوصلے بلند رہیں۔گھر ہی چھوٹی اکائیاں ہیں یہاں سے ہی گلی محلوں ،قصبوں اور شہروں تک رسائی ہوتی ہے۔دوستو! ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ وقت پر کام کر دیا جائے۔ بے وقت تو رب نے فرعون کو معاف نہ کیا تھا کیونکہ فرعون کے یقین کے لئے عمل کرنے کا وقت نہیں تھا۔

غور کریں کہ جنتی معاشرہ کے قیام کے لئے مشکلات ناگزیر ہیں ۔سورۃ البقرہ میں مومنین کو کہہ دیا گیا ہے کہ تم بھی جنت میں یونہی نہ چلے جاؤ گے بلکہ جاں گداز مرحلوں سے گذرنا ہوگا۔سختیاں اور مصیبتیں چاروں طرف سے گھیر لیں گی حتیٰ کہ رسول بھی پکار اٹھے تھے کہ متیٰ نصر اللہ یاالٰہی کب کوششیں رنگ لائیں گی ۔کعبہ کے بتوں کو اٹھا کر باہر پھینکنا اتنا مشکل نہ تھا جتنا کفار کے دل ودماغ کے بتوں کو نکالنا مشکل تھا۔انقلابی جماعتیں مصائب ومشکلات کے ہجوم میں جب ثابت قدم رہتی ہیں اور صبر آزما مراحل کے بعد پھر ان کی سعی وعمل بارآور ہوتی ہے۔ان کا اقرار اور ایمان پر جم جانا اللہ تعالیٰ کے الطاف واکرام کی بارشوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔

بانی جماعت نے ہمیں قوانین خداوندی اور معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ حسن پیدا کرنے کی تاکید کی ہے تا کہ معاشرتی ناہمواریوں کا ازالہ ہو جائے۔

فرمان خداوندی ہے:''تم میری تکریم کو بلند کرو میں تمہاری تکریم کروں گا''

میرے پیارے احباب جماعت آپ اس انجمن کے نشیمن کو سنوارنے والے ہیں اور نشیمن کو سنوارنے والے کو قرآن مدثر کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔ پھر آگے دیکھیں آپ جماعت بندی کی بہتر کوشش کریں گے تو نئی نئی کونپلیں نکل آتی ہیں۔قرآن اس عمل کو بھی مدثر کہتا ہے۔میں ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے یہی دعا کر سکتا ہوں کہ:

اے خدا تو ہمیں طارق کا حوصلہ دیدے
وقت اب آ گیا ہے کشتیاں جلانے کا

درس قرآن۔۳۸

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ’’اور عورتوں کے لئے حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے (عورتوں پر) حقوق ہیں۔ اور مردوں کو اُن پر ایک درجہ (یعنی ایک فضیلت) ہے۔ یہ (آپس کے حقوق) پسندیدہ طور پر (یا عمدگی سے) ادا کئے جائیں۔ اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔‘‘ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸)

اسلام میں عورت کی پوزیشن پر بحث پچھلے درس میں چل رہی تھی۔ اس موضوع پر سب سے اہم قرآنی آیت وہ ہے جو اُوپر مندرج ہے اور جس پر میں بحث کروں گا۔ پچھلے درس میں عورتوں کے حقوق مَردوں پر جو میں نے واضح کئے تھے وہ اتنے ہیں اور ایسے ہیں (اگرچہ میں نے ساروں کا ذکر نہ کیا تھا) کہ مَرد اگر محسوس کریں کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت ہمیشہ مظلوم و محکوم رہی اور اس زمانہ کی مزعومہ عورتوں کی آزادی کے باوجود اہلِ مغرب میں بلکہ تمام غیر مسلم قوموں میں عورتوں کو آج بھی وہ حقوق (خصوصاً مال و دولت میں وراثت کے) نصیب نہیں جو قرآن کریم نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے انہیں دئے تھے اور جو خود مسلمان مَردوں نے بعض حد تک غصب کر لئے ہوئے تھے۔ اور مَردوں کے خلاف آخری ڈگری وہ دی گئی ہے جو آج کی آیت میں مذکور ہے کہ عورتوں کے لئے مَردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ مَردوں کے عورتوں پر ہیں۔ اس آزادی نسواں کے چارٹر پر چاہیے تو یہ تھا کہ عورتیں خوش ہوتیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور قرآن کریم کی مشکور و ممنوں ہوتیں۔

مگر وائے ری انسان کی ناشکر گذاری! اس پر بھی عورتوں کو اعتراض ہے کہ اس برابر کے حقوق کی ڈگری میں یہ کیوں بڑھا دیا گیا ہے کہ مَردوں کو عورتوں پر ایک درجہ یا ایک فضیلت ہے؟ اس کی اہم وجہ تو میں بعد میں عرض کروں گا۔ مگر میں خواتین سے اتنا پہلے عرض کروں گا کہ کیا کسی مذہب نے یہ برابر کے حقوق دئے ہیں؟ برابر تو کیا انہوں نے عورت کو ذلیل سمجھا جیسا کہ میں بتا آیا ہوں کہ عیسائیت (اور بائیبل) میں آج بھی مذکور ہے اور ہندو مذہب میں تو عورت ابھی بھی مَرد کی ملکیت ہے۔ مگر میں نے کسی عیسائی عورت یا ہندو عورت کو نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے مذہب پر یا اپنی مذہبی کتابوں پر اعتراض کیا ہو جیسا کہ مسلمان عورتیں کرتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اس آزادی کا نتیجہ ہے جو اسلام نے عورت کو ۱۴۰۰ سال پہلے دی۔ مگر اس آزادی کا غلط استعمال کرنے سے بچنا چاہیے۔ کوئی بات سمجھ نہ آئے تو بے شک پوچھیں اور سوال کریں مگر اعتراض کرنا اور قرآن کے کسی حکم کو ناواجب قرار دینا بغیر تحقیق کئے یہ صحیح نہیں۔ میں اس کی مثال تو بعد میں سناؤں گا۔ اس سے پہلے ایک واقعہ سن لیجئے۔ عورت کی مثال مذہب میں موجودہ پوزیشن کا جس مذہب سے کہ ہم میں سے اکثر مشرّف با سلام ہوئے ہیں۔

میں ناسک (بمبئی پریذیڈنسی) میں اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۳۵ء کا ہے مگر جہاں تک مجھے علم ہے اس پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی آج تک اور آ بھی کیسے سکتی ہے کیونکہ ہندو شاستر سینکڑوں سال پہلے منّو اور دوسرے ہندو بانیانِ مذہب نے لکھے۔ ان کو آج کون بدل سکتا ہے؟ تو ہوا یہ کہ میری عدالت میں ایک مرہٹہ ہندو عورت نے ضابطہ فوجداری (کرمنل پروسیجر کوڈ) کے ماتحت یہ دعویٰ کیا کہ میرا خاوند نہ تو مجھے بساتا ہے اور نان و نفقہ دیتا ہے اس لئے میری دادرسی کی جائے۔ میں نے خاوند سے پوچھا کہ کیا وہ عورت کو بسانے کو تیار ہے تو اس نے صاف انکار کیا۔ ہندو مذہب میں طلاق نہیں ہے۔ (اب کوئی ملکی قانون بن گیا ہو تو مجھے علم نہیں ہے) بن گیا بھی تو بھی وہ مرہٹہ مرد اس عورت کو نہ چھوڑنے پر راضی تھا نہ نان و نفقہ دینے پر۔ وہ بیچاری ۲۳، ۲۴ سال کی جوان عورت قابلِ رحم تھی کہ پہاڑ جیسی عمر اس کے آگے تھی اور نہ وہ کہیں اور شادی کر سکتی تھی نہ اس کے کوئی ذرائع آمدنی تھے۔ میں نے دفعہ متعلقہ کے ماتحت عورت کو نان و نفقہ ادا کر دینے کا حکم دے دیا۔ اسی شام میں کلب میں گیا تو وہاں مسٹر داسو دیو نامی سیشن جج اور ان کی

بیوی نظر پڑے۔ مسٹر واسود یوا پنی قانونی قابلیت کی وجہ سے بجا طور پر مشہور تھے اور وہ کچھ ماہ کے بعد بمبئی ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ وہاں کے کئے ہوئے ان کے فیصلے بطور سند پیش کئے جانے لگے۔ مسٹر اور مسز واسود یو دونوں نئے فیشن کے دلدادہ اور روشن خیال تھے۔ میں نے فخر یہ مسٹر واسود یو کو سنایا کہ میں نے اُس دن ایک ہندو عورت کو کس طرح اس کا حق دلوایا۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب مسٹر واسود یو غصہ میں لال پیلے ہو کر کہنے لگے کہ تمہیں کیا حق تھا کہ ہمارے مذہب میں دخل انداز ہوتے؟ میں نے انہی سے پہلی دفعہ سنا کہ ہندو مذہب میں عورت مَرد کی ملکیت ہے اور مَرد کو پورا حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ جو چاہے کرے گا۔ گائے بھینس سے زیادہ اس کا کوئی حق نہیں۔ میں نے مسز واسود یو کی طرف دیکھا کہ ان کا کیا ردّعمل ہے مگر وہ مجھے دیکھ کر مسکرا کر چپ ہو رہیں۔ مسٹر واسود یو نے گرج کر کہا کہ اگر اس خاوند نے اُن کی عدالت میں میرے فیصلہ کے خلاف اپیل کی تو وہ یقیناً میرے فیصلہ کو برطرف کر دیں گے۔

اب میں وجہ عرض کرتا ہوں کہ قرآن حکیم نے مَرد وعورت کو برابر، برابر کے حقوق ایک دوسرے پر دے کر یہ کیوں فرمایا کہ مَرد کو ایک درجہ فضیلت ہے؟ نہایت معقول اور اہم وجہ ہے اور وہ یہ کہ جب کہ میاں بیوی کے حقوق ایک دوسرے پر برابر کے ہیں تو اگر ان میں اختلاف رائے ہوگا تو کیا ہوگا؟ عام طور پر تو میاں بیوی میں روزانہ اختلاف رائے ہوسکتا ہے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی دو انسانوں کی ایک جیسی صورت نہیں بنائی وہاں ایک جیسی طبیعت بھی نہیں بنائی۔ یہ اختلاف مردوں میں بھی ہے۔ مرد وعورت میں تو جنس کا اختلاف بھی ہے۔ عورت جذباتی ہوتی ہے۔ تبھی تو وہ اولاد کی پرورش جیسا مشکل کام یا میل ملاپ اور آپس میں تعلقات بڑھا سکتی ہے۔ مرد نے دنیا کے دھکے کھانے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ عملی ہوتا ہے۔ اس لئے میاں بیوی میں اختلاف رائے ہونا لازمی ہے۔ اسی لئے عورتوں سے حُسنِ سلوک کے احکام قرآن میں بھی ہیں اور حضور سرورِ کائنات صلعم نے بھی ان پر زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ:

''تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے بہترین سلوک کرتا ہے''۔

چنانچہ روزانہ کے اختلاف رائے میں میاں بیوی ایک دوسرے کی مان کر ہی گذارہ کر سکتے ہیں۔ مگر کبھی ایسے بھی سوال اُٹھتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی بات پر اڑ بیٹھتے ہیں۔ تب کیا ہو کیونکہ دونوں کے حقوق تو اصولاً برابر، برابر ہیں؟ کیا فیصلہ کے لئے عدالتوں میں جائیں؟ کیا امّاں کو ابّا کو بلایا جائے؟ روزانہ کی زندگی میں ایسا ہوسکتا نہیں۔ حل یہی ہے کہ فریقین میں سے ایک کی بات مانی جائے۔ تو قرآن حکیم نے فرمایا کہ ایسی صورت میں مرد کی بات مانی جائے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر ایسے اختلافات میں پیسہ مہیا کرنے کا سوال ہوتا ہے۔ اور اس کی ذمہ داری مرد پر ہے جیسا کہ میں پچھلے درس میں بتا آیا ہوں۔ شادی بیاہ کے اور لین دین کے موقعوں پر عورتیں جذباتی ہونے کی وجہ سے اکثر اپنی چادر سے باہر پھیلاتی ہیں۔ بعض کو دکھاوے کا اور اپنی ناک قائم کرنے کا خیال ہوتا ہے۔ ان کی بلا سے کہ مرد جائیداد بیچے یا مقروض ہو جائے یا رشوت لائے یا خیانت کرے۔ ان کو تو بڑھ چڑھ کر کام کرنا ہے۔ تو قرآن حکیم ایسی ناجائز ڈھیل عورت کو کہاں دے سکتا تھا؟ علاوہ پیسہ مہیا کرنے کی ذمہ داری کے، قرآن نے عورت کی حفاظت کا ذمہ دار بھی خاوند کو ٹھہرایا ہے۔ تو عورت کوئی ایسی آزادی چاہتی ہے مذہب جس کی اجازت نہیں دیتا تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ اسے روکے۔ کیا اس وقت عورت یہ کہہ کر اس کی بات ماننے سے انکار کر سکتی ہے کہ میرے حقوق تمہارے برابر ہیں۔ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟ قرآن نے کیا صحیح فیصلہ دیا ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے پیسہ مہیا کرنے کی یا عورت کی ہر قسم کی حفاظت کی اس کی بات مانی جائے اگر اختلاف رائے ویسے نہ طے ہوسکتا ہو۔

اور اسی لئے اگلے الفاظ کیا عمدہ ہیں! ''اور اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے''۔ مرد کو فرمایا کہ اگر ہم نے تمہیں ایسے موقعہ پر غلبہ دیا ہے تو یاد رکھو کہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اگر تم اپنے غلبہ کا ناجائز استعمال کرو گے تو اس سے ڈرو جو تم پر غلبہ رکھتا ہے۔ عورت کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے۔ اس کی بات میں حکمت ہے۔ علاوہ مندرجہ بالا حکمتوں کے اگر عورت اڑے گی تو نتیجہ خاوند کی محبت کھو بیٹھنے کا یا طلاق تک کا ہوسکتا ہے۔ تو اس میں نقصان میں عورت رہتی ہے۔

میں نے یہ سب باتیں کبھی کبھار نکاحوں کے خطبوں میں کیں تو ردّعمل بہت سخت ہوا۔ خواتین میں سے بعض نے کہا کہ مائیک فاروقی صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں ہو تو ہم ان کو بتائیں۔ مائیک تو خیر نکاح خواں کے ہاتھ

میں ہی ہوتا ہے۔ بعد میں میں نے ان خواتین سے پوچھا کہ انہیں کیوں اعتراض ہے کہ کبھی کبھار مرد کی بات مان لیں جبکہ اتفاق رائے ممکن نہ ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم مرد کی غلط بات ایسے موقعوں پر مانیں؟ میں نے کہا کہ یہ تو آپ کی رائے ہے کہ مرد کی بات ایسے موقعوں پر غلط ہوتی ہے۔ مگر مَردوں کی رائے میں آپ کی بات غلط ہوتی ہے۔ تو پھر فیصلہ کس طرح ہو؟ عدالت میں؟ یا اماں ابا کو بلوایا جائے؟ میں ایک منٹ کے لئے مان لیتا ہوں کہ مرد کی بات کسی تنازعہ میں غلط تھی۔ تو بھی تنازعہ کا گھر میں ہی فیصلہ کرنے کے لئے آپ مان لیں۔ دوسرے کسی وقت میں خاوند کو سمجھا بجھا کر اپنی منوا لینا۔ اور عورتوں کو تو کئی ڈھب آتے ہیں، اپنی بات منوا لینے کے جن کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا۔ مگر بالفرض خاوند کسی طرح نہ مانے تو اس کی بات خواہ وہ آپ کی رائے میں غلط ہو مان لینے میں کیا حرج ہے؟ اس بدبخت مرد کو تو باہر کی زندگی میں ایک نہیں بیسیوں کی باتیں ماننی پڑتی ہیں۔ میری نوکری میں حالانکہ وہ I.C.S اور C.S.P کے اعلیٰ ترین عہدوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے گذری اپنے سے اوپر کے افسروں یا وزیروں کی ہمیشہ ماننی پڑی حالانکہ مجھے بعض وقت یقین ہوتا تھا کہ ان کی رائے غلط ہے۔ اگر کبھی افسر بالا نے یا وزیر نے کوئی حکم دیا یا فیصلہ کیا جو میں سمجھتا تھا کہ غلط ہے تو میں نہایت مودبانہ طریق پر دلائل دے کر اس غلطی سے ان کو آگاہ کرتا تھا اور درخواست کرتا تھا کہ وہ اپنی رائے بدلیں۔ مگر وہ اگر کہتے تھے کہ نہیں یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے تو میں پھر بلا چوں و چراں اس کی تعمیل کیا کرتا تھا نہ کہ عورتوں کی طرح روٹھ جاتا یا طعن و تشنیع سے کام لیتا یا علم بغاوت بلند کرتا۔ ایسے کڑوے گھونٹ اکثر پینے پڑتے تھے اور اب ریٹائر ہونے کے بعد تو ایک چپڑاسی اور پٹواری سے لے کر اوپر کے افسروں تک کے غلط ملط حکم ماننے پڑتے ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عورت پر بڑی مہربانی ہے کہ خاوند کے برابر حقوق دے کر اور خاوند کو خبردار کر کے کہ اگر تم اپنے فیصلہ کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ گے یا غلط استعمال کرو گے تو تمہارے اوپر ہم غالب ہیں۔ ہم سے ڈرو پھر صرف ایک محبت کرنے والے خاوند کی کبھی کبھار بات ماننے کو کہا۔ مرد پر باہر کتنے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے غلط ملط حکم اس سے منواتے ہیں؟

مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے دلائل کا ان خواتین پر بظاہر کوئی اثر نہیں ہوا۔ (باقی آئندہ)

وفات حسرت آیات

”بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

لاہور

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے جمیل عمر صاحب اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

آپ نہایت ہی ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ آپ عوامی ورکر پارٹی کے بانی بھی تھے۔ اور ساری زندگی دُکھی انسانیت کی خدمت میں گذاری۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

لاہور ماڈل ٹاؤن میں عبدالباسط صاحب کے سسر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

ملتان

میاں عمر فاروق صاحب کی بیگم صاحبہ کی بھتیجی وفات پا گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

انڈیا

جناب خورشید عالم ترین صاحب کی زوجہ کی بہن اس جہان فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔ آپ نہایت ہی متقی، پرہیزگار اور نیک خاتون تھیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

احمدی نوجوانوں سے

از: اعظم علوی

یہ سچ ہے باغِ عالم میں بہارِ جاوداں تم ہو
گل اسلام کی رنگینیوں کے پاسباں تم ہو
کلام پاک یزداں کے حقیقی ترجماں تم ہو
جہاں میں پیکر اسلام کی تاب و تواں تم ہو
جہانِ آرزو کے جسم و جاں روحِ رواں تم ہو

تمہاری سمت اٹھی ہیں نگاہیں اک زمانے کی
تمہی وہ شاخ ہو بنیاد ہے جو آشیانے کی
اٹھو کچھ فکر کر لو اپنے آب و دانے کی
گھڑی پھر آن پہنچی ہے تمہارے آزمانے کی
اٹھو تیار ہو باندھو کمر گر نوجواں تم ہو

افق کو چیر کر نکلے تھے تم مہرِ مبیں بن کر
شفق کے خون میں تیرے تھے تم درِ ثمیں بن کر
بھلا یہ پردہ داری کب روا ہے دلنشیں بن کر
تمہیں عالم کی نظریں ڈھونڈتی ہیں خوردبیں بن کر
فلاح وفوزِ ایماں جس میں ہے وہ داستاں تم ہو

تباہی پھر سے ہے گھیرے ہوئے اقوامِ عالم کو
ہلاکت یک بیک چونکا رہی ہے ابن آدم کو
خداوندان یورپ بھول بیٹھے اپنے دم خم کو
ہیں گرد کارواں میں ڈھونڈتے زخموں کے مرہم کو
تسلی دو انہیں اٹھ کر کہ میرِ کارواں تم ہو

جہالت ڈھونڈتی پھرتی ہے اب تصویر خالق کی
رضا جو ہوگئی مادہ پرستی آج رازق کی
وارثت میں تمہیں آئی ہے وہ میراث سابق کی
حکایت ہے سکوتِ شام میں جو صبحِ صادق کی
اٹھا کر پردہ دکھلا دو کہ نورِ کن فکاں تم ہو

تعجب ہے کہ ایسے وقت میں تم پر ہو خاموشی
کرو کچھ ہوش کی باتیں نہیں اچھی یہ مدہوشی
سکھاؤ بزمِ عالم کو نئے انداز مے نوشی
جہاں میں کچھ نہیں جز جاں فروشی و جہاں کوشی
عمل سے دو ثبوت اس مصلحت کے رازداں تم ہو

21 دسمبر 1949ء

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرش رب العالمین
قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مجھ میں یار

دوستی بھی ہے عجب جس سے ہو آخر دوستی
آملی اُلفت سے اُلفت ہو کے دو دِل پر سوار

دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے
ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں
طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشت خار

اس کے پانے کا یہی اے دوستو اِک راز ہے
کیمیا ہے جس سے ہاتھ آجائے گا زر بے شمار

تیر تاثیر محبت کا خطا جاتا نہیں
تیراندازو! نہ ہونا سست اس میں زینہار

ہے یہی اک آگ تاتم کو بچاوے آگ سے
ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صد ہا آبشار

اس سے خود آکر ملے گا تم سے وہ یارِ ازل
اس سے تم عرفانِ حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار

وہ کتاب پاک و برتر جس کا فرقان نام ہے
وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارت بار بار

جن کو ہے انکار اس سے سخت ناداں ہیں وہ لوگ
آدمی کیونکر کہیں جب ان میں ہے حمقِ حمار

کیا یہی اسلام کا ہے دوسرے دینوں پر فخر
کردیا قصّوں پہ سارا ختم دیں کا کاروبار

مغزِ فرقان مطّہر کیا یہی ہے زہدِ خشک
کیا یہی چوہا ہے نکلا کھود کر یہ کوہسار

منہ کو اپنے کیوں بگاڑا نا امیدوں کی طرح
فیض کے در کھل رہے ہیں اپنے دامن کو پسار

کس طرح کے تم بشر ہو دیکھتے ہو صد نشاں
پھر وہی ضد و تعصب اور وہی کین و نقار

بات سب پوری ہوئی پر تم وہی ناقص رہے
باغ میں ہو کر بھی قسمت میں نہیں دیں کے ثمار

دیکھ لو وہ ساری باتیں کیسی پوری ہوگئیں
جن کا ہونا تھا بعید از عقل و فہم و افتکار

نیک ظن کرنا طریق صالحانِ قوم ہے
لیک سو پردے میں ہوں اُن سے نہیں ہوں آشکار

(کلام الامام)